

احبابِ یونہی کی کرم فرمائیاں

اہلِ حشر

از

احسان اللہ علیہ الرحمہ

مقدمہ

حافظ عبد الحمید زہر

نظم الدعوة الى الفراق والسنة

WWW.IRCPK.COM

احبابِ یونہی کی کرم فرمائیاں

اہلِ حشر پر

از

اعلاءِ السنن الہدیٰ شہید

مقدمہ

حافظ عبد الحمید زہر

تظییر الدعوة الی الفرائض السنۃ

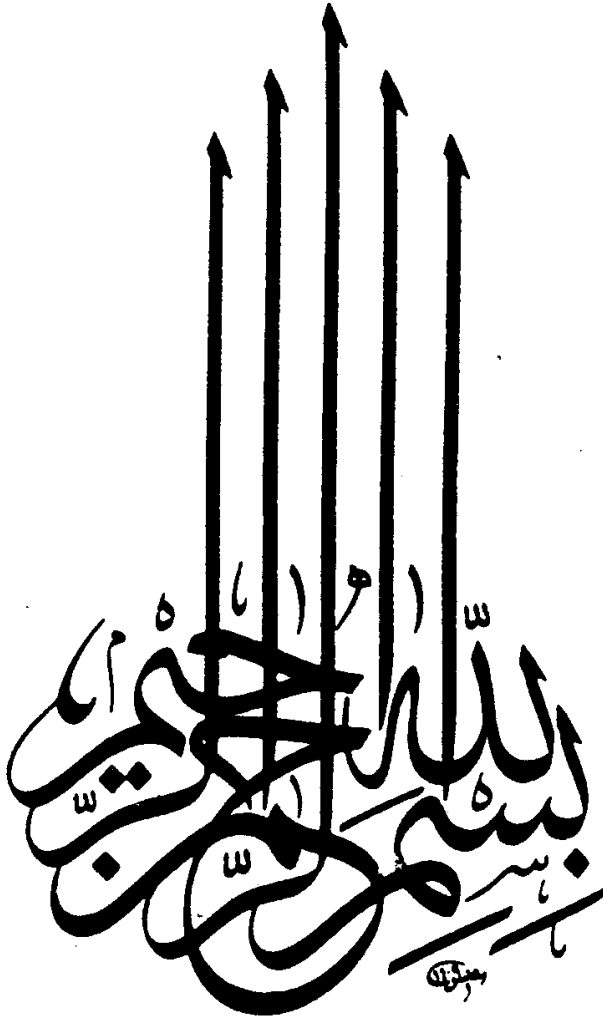
تنظیم الدعوة الى القرآن	ناشر
والسنہ -		
جون 2000ء	طبع اول
موٹروے پرنٹرز	مطبع

فہرست

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
۱	مقدمہ	۹
۲	سلسلہ نبوت و رسالت کا مقصد	۱۱
۳	انبیاء علیہم السلام تقلید کی نہیں علم کی دعوت دیتے تھے	۱۲
۴	انبیاء کی دعوت سے فیض یاب ہونے والے خوش نصیب	۱۳
۵	انبیاء پر ایمان کے فیوض و برکات	۱۴
۶	انبیاء کی غیر مشروط اطاعت اصل ایمان ہے	۱۵
۷	سعادت ایمان سے محرومی کے اسباب تقلید اور غرور علم	۱۶
۸	دین وہی ہے جو حضرت محمد ﷺ پر نازل ہوا	۲۰
۹	آداب استفتاء	۲۱
۱۰	قطعی نصوص کے بالمقابل تقلید آباء شرک اور کفر کا راستہ ہے	۲۱
۱۱	ہدایت، رحمت اور نصرت، انعامات ربانی ہیں اور اطاعت رسول ﷺ	۲۱
۱۲	کرنے والوں کے لئے خاص ہیں	۲۱
۱۳	اہل حدیث ہی طائفہ منصورہ ہیں	۲۳
۱۴	شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کے تجدیدی کارنامے	۲۶
۱۵	اہل حدیث کے مخالفین کے دو گروہ	۲۸
۱۶	مقلدین کی خوش فہمی اور خود فریبی	۲۹
۱۷	امام ابو حنیفہؒ کی فقہی مجلس کا شوشہ	۲۹
۱۸	قرآن و سنت میں تعارض ناممکن ہے	۳۳
۱۹	حنیفہ کے دعویٰ عمل بالقرآن کی حقیقت	۴۱
۲۰	حدیث رسول ﷺ کے ساتھ حنفیہ کا ”حسن سلوک“	۴۵

۲۸	اہل حدیث اور احناف کے درمیان اصل احناف	۲۰
۵۰	تقلید کی وکالت میں مجتہدانہ کاوشیں	۲۱
	فاتحہ خلف الامام کے متعلق حنفیہ کے موقف کا (واذا قرى القرآن)	۲۲
۵۳	آیت سے کوئی تعلق نہیں	
۵۴	مولانا ظفر احمد تھانوی کا فرمان کہ رفع الیدین خشوع کے منافی ہے	۲۳
۵۵	حنفی خشوع کی مثالیں	۲۴
۵۹	آمین بالجہر - مولانا عبدالحی لکھنوی کا چشم کشا اشارہ	۲۵
۶۲	حنفی مذہب کی تابید میں علامہ انور کا شمیری کی ”خدمات“	۲۶
۶۵	تقلید کے داعیوں کا دام تزویر	۲۷
	فقہ حنفی کے چند مسائل جن میں احادیث صحیحہ کے بالمقابل صرف	۲۸
۶۶	رائے پر عمل کیا گیا ہے	
۶۹	حنفی قواعد حدیث کے مضمرات	۲۹
	صحیحین کی احادیث کی صحت پر امت کا اجماع ہے اور اجماع کی پیروی	۳۰
۷۰	تقلید نہیں	
۷۱	مقلدین سے حافظ ابن قیمؒ کے لاجواب سوالات	۳۱
۷۲	خبر پر اعتماد اور تقلید میں فرق	۳۲
	فقہی روایات میں علت و معلول کا احتمال احادیث کی نسبت کہیں	۳۳
۷۵	زیادہ ہے -	
۸۰	وکالت تقلید کی اور دعوت اجتہاد کی	۳۴
۸۰	حدیث، مراسیل، آثار صحابہ پر احناف کے عمل کی مثالیں	۳۵
۸۸	تقلید کے بارے میں گفتگو (مولانا ظفر احمد تھانوی)	۳۶
۸۸	اہل حدیث قرآن پر عمل نہیں کرتے	۳۷
۸۹	احناف کا اصول	۳۸

۸۹	فاتحہ خلف الامام	۳۹
۹۰	رفع الیدین کا مسئلہ	۴۰
۹۲	تقلید کا انکار کرنے والے بھی تقلید سے نہیں رہ سکتے	۴۱
۹۳	احناف سے بڑھ کر حدیث پر کوئی عمل نہیں کرتا	۴۲
۹۵	احباب دیوبند کی کرم فرمائیاں (علامہ احسان الہی ظہیر)	۴۳
	موجودہ صورت حال میں اہل توحید کا فریضہ اور اہل علم	۴۴
۹۶	کی ذمہ داریاں	
۹۶	اہل حدیث کی رواداری اور احناف کی لامسائیاں	۴۵
۱۰۱	مذکورہ مضمون کی البلاغ کے مجموعی مزاج سے عدم مناسبت	۴۶
۱۰۱	تقلید کے بارے میں ایک گفتگو	۴۷
۱۰۳	فاتحہ خلف الامام کا مسئلہ	۴۸
۱۰۵	قرآن پر کون عمل نہیں کرتا	۴۹
۱۰۹	کیا بلند آواز سے آمین کہنا قرآن کے منافی ہے؟	۵۰



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الْحَمْدُ لِلَّهِ نَحْمَدُهُ وَنَسْتَعِينُهُ وَنَسْتَغْفِرُهُ وَنَعُوذُ بِاللَّهِ مِنْ شُرُورِ أَنْفُسِنَا
وَسَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا مَنْ يَهْدِ اللَّهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ وَمَنْ يَضِلَّ فَلَا هَادِيَ لَهُ وَ
أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا
زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَ
الْأَرْحَامَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا﴾

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تُقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ﴾
﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا يُصْلِحْ لَكُمْ أَعْمَالَكُمْ وَ
يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا﴾

والصلاة والسلام على المبعوث رحمة للعالمين و خاتم المرسلين و
على آله و صحبه أجمعين و من تبعهم باحسان إلى يوم الدين أما بعد
اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کو فکر و ارادہ کی خصوصیت سے بہرہ مند فرما کر
خلافت ارضی کی خلعت سے نوازا تو یہ بار امانت ان کے سپرد کرتے ہوئے ان
پر واضح کر دیا گیا کہ تمہیں زمین کی پستی سے اٹھانے اور جنت کے ابدی مالک
بنانے کے لئے فیض ربوبیت ارزاں و فراواں ہوگا۔

﴿فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُمْ مِنْيْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ
يَحْزَنُونَ﴾ (البقرہ-۳۸)

”جب تمہارے پاس میری طرف سے ہدایت پہنچے (تو اس کی پیروی کرنا
کہ) جنہوں نے میری ہدایت کی پیروی کی نہ ان کو کچھ خوف ہوگا اور نہ وہ
غمناک ہوں گے۔“

سلسلہ نبوت و رسالت کا مقصد

چنانچہ سلسلہ نبوت و رسالت کا اجراء اور صحائف و کتب کا نزول اسی وعدہ الہی کا ایفا تھا انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا مقصد انسانی قوت فکر و نظر کو جلا دینا اور عقل انسانی کو ٹھوکروں سے مامون و محفوظ کرنا ہی تھا اسی لئے رہنمائی اور ہدایت کا پورا سامان ان کے ساتھ بھیجا گیا ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿لَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَأَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيزَانَ لِيَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ﴾ (الحديد- ۲۵)

”ہم نے اپنے پیغمبروں کو کھلی نشانیاں دے کر بھیجا اور ان کے ہمراہ کتاب اور ترازو اتارا تاکہ لوگ نظام عدل قائم کر سکیں۔“

نیز فرمایا :-

﴿جَاءَتْهُمْ رُسُلُهُم بِالْبَيِّنَاتِ وَالزُّمُرِ وَالْكِتَابِ الْمُنِيرِ﴾ (فاطر- ۲۵)

”ان کے پاس ان کی طرف بھیجے گئے پیغمبر کھلی نشانیاں، صحیفے اور روشن کتاب لے کر آئے۔“

انبیاء علیہم السلام تقلید کی نہیں علم کی دعوت دیتے تھے

انبیاء علیہم السلام نے لوگوں کو اپنی ”تقلید“ کی دعوت نہیں دی بلکہ ان کی تعلیمات کا خلاصہ یہ تھا :-

﴿كُونُوا رِبَّانِينَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ الْكِتَابَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُونَ﴾ (آل عمران- ۷۹)

”سب اللہ والے بن جاؤ کہ تم اس کی کتاب دوسروں کو سکھاتے ہو اور خود بھی پڑھتے ہو۔“

انبیاء علیہم السلام کی دعوت، تعلیم و تعلم، فکر و تدبر کی دعوت تھی اور ان پر نازل

ہونے والی ہر آیت عقل و بصیرت کا خزانہ حضرت موسیٰ علیہم السلام نے فرعون سے مخاطب ہو کر فرمایا:

﴿لَقَدْ عَلِمْتَ مَا أَنْزَلَ هَؤُلَاءِ إِلَّا رَبُّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ بِصَائِرٍ﴾
(الاسراء- ۱۰۲)

”تم اچھی طرح جان چکے ہو کہ ان نشانیوں کو آسمانوں اور زمین کے پروردگار کے سوا کسی نے نازل نہیں کیا اور ان کے نزول سے مقصود تمہیں بصیرت سے آشنا کرنا ہے۔“
قرآن حکیم کا تعارف کراتے ہوئے فرمایا:-

﴿هَذَا بَصَائِرُ مِنْ رَبِّكُمْ وَهُدًى وَرَحْمَةٌ لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ﴾ (الاعراف- ۲۰۳)
”یہ قرآن تمہارے پروردگار کی جانب سے سامان دانش و بصیرت ہے اور مومنوں کے لئے سراسر ہدایت و رحمت ہے۔“

انبیاء علیہم السلام کی دعوت سے فیض یاب ہونے والے
خوش نصیب

انبیاء علیہم السلام کی دعوت بلا امتیاز تمام انسانوں کے لئے تھی، تاہم ان گنجینہ ہائے ہدایت و حکمت سے فیض یاب ہونے والے، اس نور بصیرت سے مستفید ہونے والے صرف وہ خوش نصیب تھے جنہیں رحمت باری تعالیٰ نے اپنی شان کریمی سے منتخب فرمالیا تھا، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَا يَزَالُونَ مُخْتَلِفِينَ ۝ إِلَّا مَنْ رَحِمَ رَبُّكَ وَكَذَلِكَ خَلَقَهُمْ وَتَمْتَكِلِمَةً رَبِّكَ لَا مَلَأَ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ﴾ (ہود- ۱۱۸، ۱۱۹)
”اور وہ اختلاف کرتے ہی رہیں گے سوائے ان لوگوں کے جن پر پروردگار رحم فرمائے، اور اسی لئے اس نے ان کو پیدا کیا ہے اور تمہارے پروردگار کا قول پورا ہو گیا کہ میں دوزخ کو جنوں اور انسانوں (سب سے) بھر دوں گا۔“

اس اختلاف کے نتیجہ میں انسانوں کے دو گروہ بن گئے۔“
ارشاد باری تعالیٰ ہے :

﴿وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَسُولًا أَنْ أُعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ فَمِنْهُمْ مَنْ هَدَى اللَّهُ وَمِنْهُمْ مَنْ حَقَّتْ عَلَيْهِ الضَّلَالَةُ فَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكْذِبِينَ﴾ (النحل- ۲۶)

”اور ہم نے ہر امت میں پیغمبر مبعوث کیا (یہ پیغام دے کر کہ) اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت سے دور رہو پھر ان میں بعض ایسے ہوئے جنہیں اللہ نے ہدایت سے نوازا اور بعض ایسے ہوئے کہ ان پر گمراہی ثابت ہو گئی سو زمین میں سیر کرو پھر دیکھو کہ جھٹلانے والوں کا انجام کیا ہوا۔“

رسولوں پر ایمان کے فیوض و برکات

ہدایت نصیب گروہ وہ تھا جو ایمان سے بہرہ ور ہوا، ارشاد باری تعالیٰ ہے :-
﴿كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً فَبَعَثَ اللَّهُ النَّبِيِّنَ مُبَشِّرِينَ وَمُنْذِرِينَ وَأَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِي مَا اخْتَلَفُوا فِيهِ وَمَا اخْتَلَفَ فِيهِ إِلَّا الَّذِينَ أُوتُوهُ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمْ الْبَيِّنَاتُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ فَهَدَى اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا لِمَا اخْتَلَفُوا فِيهِ مِنَ الْحَقِّ بِإِذْنِهِ وَاللَّهُ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ﴾ (البقرہ- ۲۱۳)

”در اصل لوگ ایک ہی گروہ تھے (ان میں اختلاف ہوا) تو اللہ تعالیٰ نے نبیوں کو خوشخبریاں سنانے والے اور ڈر سنانے والے بنا کر مبعوث کیا اور ان کے ساتھ سچی کتابیں نازل فرمائیں تاکہ لوگوں کے ہر اختلافی امر میں فیصلہ ہو جائے کتاب میں صاف احکام آجانے کے بعد لوگوں نے جن کو وہ دی گئی تھی جھگڑا کرنا شروع کر دیا اور یہ صرف ضد اور عناد کے سبب ہوا، اس اختلاف میں اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کو حق کی طرف ہدایت عطا کی اور اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے سیدھی راہ کی طرف رہنمائی فرماتا ہے۔“

نیز فرمایا :

﴿إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ يَهْدِيهِمْ رَبُّهُمْ بِإِيمَانِهِمْ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهِمُ الْأَنْهَارُ فِي جَنَّاتِ النَّعِيمِ﴾ (يونس - ۶)
 ”جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے ان کا پروردگار ان کے ایمان کی بدولت ہدایت عطا فرماتا ہے۔“

نیز فرمایا :

﴿وَمَنْ يُؤْمِنْ بِاللَّهِ يَهْدِ قَلْبَهُ﴾ (التغابن - ۱۱)
 ”اور جو اللہ پر ایمان لائے اللہ اس کے دل کو ہدایت دے گا۔“

انبیاء و رسل کی غیر مشروط اطاعت
 اصل ایمان ہے

اور مومن وہ ہوتے ہیں جو انبیاء و رسل کی غیر مشروط اطاعت کرتے ہیں، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے :

﴿إِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِينَ إِذَا دُعُوا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ أَنْ يَقُولُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾ (النور - ۵۱)
 مومنوں کی تو بات صرف یہ ہے کہ جب اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف بلائے جائیں تاکہ ان میں فیصلہ کریں تو کہیں کہ ہم نے (حکم) سن لیا اور ہم نے مان لیا۔“

نیز فرمایا :

﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾ وَلَوْ أَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ أَنْ اقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ أَوْ أَخْرِجُوا مِنْ دِيَارِكُمْ مَا فَعَلُوهُ إِلَّا قَلِيلٌ مِنْهُمْ وَلَوْ أَنَّهُمْ فَعَلُوا مَا يُوعَظُونَ بِهِ لَكَانَ خَيْرًا لَهُمْ وَأَشَدَّ

تَشِيَّتًا ۝ وَإِذَا آلَا تَيْنَاهُمْ مِنْ لَدُنَّا أَجْرًا عَظِيمًا ۝ وَلَهْدَيْنَاهُمْ صَرَاطًا
مُسْتَقِيمًا ۝ (النساء۔ ۶۵، ۶۶، ۶۷، ۶۸)

”تمہارے پروردگار کی قسم یہ لوگ مومن نہیں تاوقتیکہ تمہیں اپنے تمام
تنازعات میں منصف بنائیں اور جو فیصلہ تم کرو اس سے دل میں تنگ نہ ہوں
اور بخوشی مان لیں اور اگر ہم ان پر اپنے آپ کو قتل کرنا یا اپنے گھروں سے نکل
جانا فرض کر دیتے تو ان میں تھوڑے ہی یہ حکم بجا لاتے اور اگر یہ اس نصیحت
پر کاربند ہوتے جو ان کو کی جاتی ہے تو ان کے حق میں بہتر اور دین میں ان کی
مزید ثابت قدمی کا موجب ہوتا اور ہم ان کو اپنے ہاں سے اجر عظیم عطا
فرماتے اور سیدھی راہ کی طرف انہیں ہدایت عطا کرتے۔“

ایمان کی سعادت سے محرومی کے اسباب

۱۔ غرورِ علم ۲۔ تقلیدِ آباء

انبیاء و مرسلین پر ایمان لانے کی سعادت سے محروم گروہ دو طرح کے افراد پر
مشتمل تھا:

مغرورین علم :- ایک تو وہ لوگ تھے جو غرورِ علم میں اس طرح غرق اور اپنی
جمالت پر اس حد تک نازاں تھے کہ خود کو کسی قسم کی رہنمائی سے مستغنی سمجھتے تھے وہ
اپنی فطری پستی اور کوتاہ نظری کے سبب اپنے مزعومہ علوم و معارف پر اس قدر نازاں
تھے کہ انہوں نے علوم نبوت اور ان کے معارف و حکم میں غور و فکر نہیں کیا اللہ تعالیٰ
نے انہیں لوگوں کا حال بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا :-

﴿فَلَمَّا جَاءَ تَهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ فَرِحُوا بِمَا عِنْدَهُمْ مِنَ الْعِلْمِ﴾

(المؤمن۔ ۸۳)

”پھر جب ان کے پیغمبران کے پاس واضح دلائل لے کر آئے تو وہ اس علم پر
اترانے لگے جو ان کے اپنے خیال میں ان کے پاس تھا۔“

یہ لوگ پندار کی اس چوٹی پر پہنچ گئے جو ندائے حق کے دائرہ تاثیر سے باہر تھی :-
﴿وَقَالُوا قُلُوبُنَا فِي أَكِنَّةٍ مِمَّا تَدْعُونَا إِلَيْهِ وَفِي آذَانِنَا وَقْرٌ وَمِنْ بَيْنِنَا
وَبَيْنِكَ حِجَابٌ فَأَعْمَلْ إِنَّا عَامِلُونَ﴾ (حم السجدة - ۵)
”اور کہا کہ جس چیز کی طرف تو ہمیں بلاتا ہے اس سے ہمارے دل پردوں
میں ہیں اور ہمارے کانوں میں بوجھ ہے اور ہمارے اور تمہارے درمیان پردہ
ہے تو سوا اپنا کام کر ہم اپنا کام کرتے ہیں۔“

مقلدین آباء و اجداد :- دوسرا گروہ ایسا تھا جس نے خود کو اکابر پرستی کے حصار
میں محصور کر لیا، جمود و تقلید ان کے رگ و ریشہ میں اس طرح سرایت کر گئی کہ انہوں
نے حقائق و دلائل کی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھا اور اپنے آباء و اجداد کے نظریات اور
قیل و قال کو حرف آخر سمجھا اور اس کے مقابل ہر حقیقت کو جھٹلادیا۔
جیسا کہ فرمایا :

﴿مَالَهُمْ بِذَلِكَ مِنْ عِلْمٍ إِنْ هُمْ إِلَّا يَخْرُصُونَ ۝ أَمْ آتَيْنَاهُمْ
كِتَابًا مِنْ قَبْلِهِ فَهُمْ بِهِ مُسْتَمْسِكُونَ ۝ بَلْ قَالُوا إِنَّا وَجَدْنَا آبَاءَنَا
عَلَىٰ أُمَّةٍ وَإِنَّا عَلَىٰ آثَارِهِمْ مُهْتَدُونَ ۝ وَكَذَلِكَ مَا أَرْسَلْنَا
مِنْ قَبْلِكَ فِي قَرْبَةٍ مِنْ نَذِيرٍ إِلَّا قَالَ مُتْرَفُوهَا إِنَّا وَجَدْنَا آبَاءَنَا
عَلَىٰ أُمَّةٍ وَإِنَّا عَلَىٰ آثَارِهِمْ مُقْتَدُونَ ۝ قَالَ أُولَٰئِكَ جِئْتُكُمْ بِأَهْدَىٰ
مِمَّا وَجَدْتُمْ عَلَيْهِ آبَائَكُمْ قَالُوا إِنَّا بِمَا أُرْسِلْتُمْ بِهِ كَافِرُونَ ۝﴾
(الزخرف - ۲۰، ۲۱، ۲۲، ۲۳، ۲۴)

”انہیں اس بات کا کچھ علم نہیں وہ تو صرف اٹکل دوڑاتے ہیں کیا ہم نے اس
سے پہلے انہیں کوئی کتاب دی؟ کہ وہ اسے مضبوطی سے تھامے ہوئے ہیں،
وہ تو صرف یہ کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے باپ دادوں کو ایک راہ پر پایا اور ہم انہی
کے نقش قدم پر چلتے ہوئے درست جا رہے ہیں، اسی طرح ہم نے تجھ سے
پہلے جو ڈرانے والا کسی بستی میں بھیجا تو وہاں کے آسودہ لوگوں نے یہی کہا ہم

نے باپ دادوں کو ایک دین پر دیکھا ہے اور ہم انہی کی اقتداء کرتے رہیں گے، رسول نے (ازراہ فمائش) کہا اگرچہ میں تمہارے پاس وہ چیز لاؤں جو ہدایت میں اس سے بڑھ کر ہو جس پر تم نے اپنے باپ دادوں کو پایا، وہ بولے ہم اس پیغام کے منکر ہیں جو تمہارے ہاتھ بھیجا گیا۔“

وحی الہی پر مبنی اور توفیق ربانی سے نصرت و تائید یافتہ علوم نبوت کے مقابلہ میں معاندین کے مزعومہ علوم و فنون کی حیثیت ہمیشہ وہی رہی جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات باہرہ کے سامنے فرعون کے بلائے ہوئے جادوگروں کی پھینکی ہوئی رسیوں کی طاہر ہوئی، انبیاء و رسل علیہم السلام کے بصیرت افروز دلائل کے نیر تاباں کے سامنے تقلید کی شب و بجور ٹھہر سکتی تھی نہ ٹھہری، اس قسم کی آویزش کا نتیجہ محکوم و معلوم ہی رہا، ارشاد ربانی ہے :

﴿وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِينَ ۝ إِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُرُونَ ۝

وَإِنَّ جُنَدَنَا لَهُمُ الْغَالِبُونَ﴾ (الصفت - ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳)

”ہمارا پیغام پہنچانے والوں سے ہمارا پیشگی وعدہ ہے کہ وہی مظفر و منصور ہوں گے اور ہمارے لشکر ہی غالب رہیں گے۔“

چنانچہ انسانی تاریخ کا ایک ایک ورق شاہد ناظر ہے کہ نبوت اور علوم نبوت کے مقابل آنوالے :-

﴿جُنْدٌ مَّا هُنَالِكَ مَهْزُومٌ مِنَ الْأَحْزَابِ﴾

(یہ بھی ایک لشکر ہے جہاں اور لشکروں نے شکست کھائی ہے یہ بھی ہزیمت نصیب ہے)

کی تفسیر بن کر رہ گئے، نمرود اپنی تمام تر کج بخشی اور چالاکی کے باوجود حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بصیرت آفرین دلائل کے سامنے مبہوت ہوا تو فرعون اپنی فرعونیت اور لاؤ لشکر سمیت بحر قلزم میں غرقاب ہو کر سامان عبرت بنا، سلسلہ نبوت و رسالت حضرت محمد رسول اللہ ﷺ پر اپنے کمال کو پہنچا، اور حضور ختمی مرتبت پر یہ

نعمت اس شان سے پوری ہوئی کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمایا :-

﴿هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ شَهِيدًا﴾ (الفتح-۲۸)

”وہی تو ہے جس نے اپنے پیغمبر کو ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا تا کہ اس کو تمام دینوں پر غالب کر دے اور اللہ کافی گواہ ہے۔“

کعبہ میں گاڑے گئے پتھر کے بتوں کو آپ ﷺ نے اپنے دست مبارک سے ہٹایا اور دل و دماغ کے جھروکوں میں بٹھائے گئے غلو اور اوہام پرستی کے بتوں کو اپنی نورانی تعلیمات سے پاش پاش کیا اور اعلان فرمادیا :-

﴿جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا﴾ (الإسراء-۸۱)

”حق آگیا اور باطل نابود ہو گیا بے شک باطل نابود ہونے والی چیز ہے۔“

اور دین حق کی مخالفت میں ایڑی چوٹی کا زور لگانے والا ابوسفیان بن الحارث بن عبدالمطلب اپنی زبان سے اعلان کرنے پر مجبور ہو

لعمرك إني يوم أحمل رايتي لتغلب خيل اللات خيل محمد
لكا لمدلج الحيران أظلم ليله فهذا أواني حين أهدى فأهتدى
”قسم سے میں جن دنوں جھنڈا اٹھائے پھر تا تھا کہ لات کا لشکر محمد ﷺ کے
شہسواروں پر غالب آجائے اندھیری رات کی تاریکیوں میں ٹھو کریں
کھانے والے بھٹکے ہوئے پریشان کی مانند تھا اب وقت آگیا ہے کہ مجھے
ہدایت نصیب ہو اور میں سیدھے راستے پر آ جاؤں۔“

اسلام دین قیم اور حق تغیرنا آشنا ہے

نبوت و رسالت کا سلسلہ حضرت ختمی مرتبت ﷺ پر مکمل ہوا تو دعوت حق کا علم علوم نبوت کے حاملین اور سنت مطہرہ کے عاملین کے سپرد ہوا اور شہادت حق ان کا وظیفہ و شرف ٹھہرا۔

لیکن دعوت کے مضمون میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی اور نہ اس کے اسلوب میں

کوئی ترمیم کی گئی اس لئے کہ حق تغیرنا آشنا ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے :-

﴿فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا فِطْرَةَ اللَّهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللَّهِ ذَلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ﴾
(الروم- ۳۰)

تو تم یکسو ہو کر اپنا رخ اس دین کی طرف رکھو اللہ کی فطرت کو جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے اختیار کئے رہو اللہ کی پیدا کی ہوئی اس چیز میں تغیر و تبدل روا نہیں، یہی سیدھا دین ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔“

دعوت اسلام کی بنیاد بصیرت و تعقل پر ہے

تقلید پر نہیں

دعوت کی بنیاد بصیرت اور تعقل پر تھی اور اسی پر رہی ارشاد باری تعالیٰ ہے :

﴿قُلْ هَذِهِ سَبِيلِي أَدْعُوا إِلَى اللَّهِ عَلَى بَصِيرَةٍ أَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِي﴾
(یوسف- ۱۰۸)

”(اے نبی) کہہ دو میری راہ تو یہ ہے میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں از روئے یقین و برہان، سمجھ بوجھ کر میں بھی لوگوں کو اللہ کی طرف بلاتا ہوں اور میرے پیرو بھی۔“

اختلاف رونما ہونے کی صورت میں مرجع و فیصل اللہ اور اس کے رسول ﷺ ہی رہے چنانچہ ارشاد ہوا :

﴿فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذَلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا﴾ (النساء- ۵۹)

”پھر اگر کسی شے میں تمہارا جھگڑا ہو جائے تو اسے اللہ اور رسول ﷺ کی طرف لے جاؤ اگر تم اللہ اور آخری دن پر ایمان رکھتے ہو یہ بہتر ہے اور انجام کے اعتبار سے اچھا ہے۔“

استفتاء کے آداب

ناواقف اور بے علم لوگوں کا علماء کی طرف رجوع کرنا طبعی اور فطری امر ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”فإنما شفاء العی السؤال“ (أحمد، ابوداؤد) ”یعنی ناواقفی اور جہالت کا مداوا پوچھ لینے میں ہے“ تاہم اہل علم سے استفادہ کرنے والوں کو استفاء کے آداب سکھاتے ہوئے بتادیا گیا کہ سوال کا انداز کیا ہونا چاہئے اور کس قسم کے جواب میں تشفی کا سامان ہوتا ہے ارشاد فرمایا :-

﴿فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ۚ بِالْبَيِّنَاتِ وَالزُّمُرِ﴾

(النحل-۴۳)

”اگر تم دلائل کا علم نہیں رکھتے تو ان کے متعلق علماء سے سوال کرو۔“

قطعی نصوص کے بالمقابل اندھا دھند تقلید

شرک اور کفر کا راستہ ہے

”بینات اور زبر“ سے ہٹ کر بے بنیاد آراء الرجال کی محض عقیدت کی بنا پر اندھا دھند تقلید کو شرک اور کفر بتایا گیا، یہود و نصاریٰ کی فرد جرم بیان کرتے ہوئے فرمایا :-

﴿اتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ﴾ (توبہ-۳۱)

”انہوں نے اپنے عالموں اور درویشوں کو اللہ کے سوا معبود بنالیا“

حضور ختمی مرتبت ﷺ کی دعوت کا بیڑہ اٹھانے والوں اور ان کی غیر مشروط اطاعت کرنے والوں کو اس ایمان اور فرمانبرداری کی بدولت کئی نعمتوں سے وافر حصہ

ملا۔

۱- ہدایت و استقامت : چنانچہ رسول اکرم ﷺ کے اسوہ کاملہ کی مکمل اتباع اور

مشکوٰۃ نبوت سے کسب انوار کی بدولت انہیں زلیخ و زلل کا کھٹکا ہی نہ رہا بلکہ قرآن نے ان کے ہادی و مہدی ہونے کی ضمانت بھی دی۔ و کفی باللہ شہیداً۔ ارشاد باری تعالیٰ

ہے :-

﴿وَإِنْ تَطِيعُوهُ تَهْتَدُوا﴾ (النور - ۵۴)

”اگر اس کی اطاعت کرو گے تو ہدایت پر ہو گے۔“

نیز فرمایا :-

﴿قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا الَّذِي لَهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ يُحْيِي وَيُمِيتُ فَأَمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ النَّبِيُّ الْأُمِّيَّ الَّذِي يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَكَلِمَاتِهِ وَاتَّبِعُوهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ﴾ (الأعراف - ۱۵۸)

”کہہ دو کہ اے لوگو میں تم سب کی طرف اس اللہ کا بھیجا ہوا ہوں جس کی بادشاہی تمام آسمانوں اور زمین میں ہے اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں وہی زندگی دیتا ہے اور وہی موت دیتا ہے سو اللہ تعالیٰ پر ایمان لاؤ اور اس کے نبی امی پر جو اللہ تعالیٰ اور اس کے احکام پر ایمان رکھتا ہے اور اس کی اتباع کرو تا کہ ہدایت پالو۔“

۲- رحمت :

رسول اکرم ﷺ کا وجود مسعود سر اسر رحمت ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے :-

﴿وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ﴾ (الأنبياء - ۱۰۷)

”اے پیغمبر ہم نے تجھ کو سب جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔“

خود رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :-

”إِنَّمَا أَنَا رَحْمَةٌ مُّهِدَاةٌ“ (الدارمی)

”یعنی میں مجسم رحمت ہوں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے لوگوں کو بطور ہدیہ دی

گئی۔“

تاہم رحمت مجسم ﷺ سے کامل طور پر مستفید ہونے کا شرف اور رحمت الہی کا بجا طور پر امیدوار اور مستحق ہونا صرف اس مقدس گروہ کی قسمت میں لکھا گیا جو اطاعت

رسول ﷺ کا دم بھرتا ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے :-

﴿وَ أَطِيعُوا اللَّهَ وَ الرَّسُولَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ﴾ (آل عمران - ۱۳۲)
 ”اور اللہ اور رسول ﷺ کی فرمان برداری کرو اس امید میں کہ تم پر رحمت
 ہو۔“

نیز فرمایا :

﴿وَ أَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَ آتُوا الزَّكَاةَ وَ أَطِيعُوا الرَّسُولَ لَعَلَّكُمْ
 تُرْحَمُونَ﴾ (النور - ۵۶)
 ”نماز کی پابندی کرو، زکوٰۃ ادا کرو اور اللہ تعالیٰ کے رسول کی فرمانبرداری میں
 لگے رہو تاکہ تم پر اللہ کی رحمت ہو۔“

۳- فتح و نصرت :

دعوت حق میں انبیاء علیہ السلام کے اسلوب و منہج سے کامل وابستگی کی بدولت
 انہیں تائید ایزدی سے نوازا گیا اور ہمیشہ فتح منہج ان کا مقدر رہی، ارشاد باری تعالیٰ ہے :
 ﴿فَاتَّبَعْنَا الَّذِينَ آمَنُوا عَلَىٰ عَدُوِّهِمْ فَاصْبَحُوا ظَاهِرِينَ﴾ (الصف - ۱۴)
 ”اور ہم نے ایمان لانے والوں کو ان کے دشمنوں کے مقابلے میں نصرت و
 تائید سے نوازا اور وہ غالب ہو گئے۔“

الصادق المصدوق ﷺ کی زبان وحی ترجمان سے انہیں مظفر و منصور رہنے کی
 بشارت دی گئی ارشاد ہوا :-

”لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِّنْ أُمَّتِي قَوَّامَةٌ عَلَىٰ أَمْرِ اللَّهِ لَا يَضُرُّهَا مَنْ خَالَفَهَا“
 (ابن ماجہ)

”میری امت میں ایک جماعت ہمیشہ موجود رہے گی جو حکم الہی پر سختی سے
 قائم ہوگی اس کی مخالفت کرنے والے اسے کچھ ضرر نہ پہنچا سکیں گے۔“

یہ بشارت ان الفاظ کے ساتھ بھی وارد ہے :-

”لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِّنْ أُمَّتِي مَنْصُورِينَ لَا يَضُرُّهُمْ خُذْلَانُ مَنْ خَذَلَهُمْ“

حَتَّى تَقُومَ السَّاعَةُ“ (ابن ماجہ، ابن حبان)

”میری امت میں ہمیشہ ایک جماعت رہے گی جسے اللہ کی نصرت حاصل ہو گی ان کا ساتھ چھوڑنے والے ان کو نقصان نہ پہنچا سکیں گے حتیٰ کہ قیامت قائم ہو جائے۔“
اور کبھی یوں فرمایا :-

”لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ أُمَّتِي ظَاهِرِينَ عَلَى الْحَقِّ لَا يَضُرُّهُمْ مَنْ خَذَلَهُمْ حَتَّى يَأْتِيَ أَمْرُ اللَّهِ وَهُمْ كَذَلِكَ“ (صحیح مسلم)

”میری امت میں ایک گروہ ہمیشہ رہے گا جو حق پر قائم ہو گا اور ہمیشہ غالب رہے گا ان کا ساتھ چھوڑنے والے ان کو کچھ ضرر نہ پہنچا سکیں گے حتیٰ کہ حکم الہی (روز قیامت) آجائے گا اور وہ اسی حالت میں ہوں گے۔“

اہل حدیث ہی طائفہ منصورہ ہیں

نبی اکرم ﷺ کی زبان مبارک سے نکلی ہوئی یہ پیشین گوئی جس میں اللہ تعالیٰ کے تکوینی فیصلہ کی اطلاع دی گئی حرف بحرف پوری ہوئی اور اس شان سے پوری ہوئی کہ اس جماعت کے بارے میں کبھی التباس و خفا اور کسی قسم کا ابہام نہیں رہا بلکہ یہ جماعت مبارکہ لیلۃ البدر کے چاند اور نصف النہار کے سورج سے بھی زیادہ ظاہر رہی، عبد اللہ بن مبارکؒ جیسے زاہد و مجاہد، یزید بن ہارون جیسے ثقہ محدث اور علی بن مدینی جیسے ماہرین فن حدیث اور امام بخاری جیسے نابغہ زمان متفق اللسان ہیں کہ یہ مظفر و منصور اور فتح نصیب جماعت اہل حدیث ہی ہیں۔ (ملاحظہ ہو شرف اصحاب الحدیث صفحہ ۴۱ و ما بعدہ)

اس موافق و مبارک جماعت کے ایک ایک فرد نے دین حق کے مخالفین اور جادہ حق سے انحراف کرنے والوں کے لشکروں کے لشکر تاراج کر دیئے، امام اہل سنت و الجماعۃ ابو عبد اللہ بن احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے تنہا تجہم و اعتزال کی قوتوں کو اس وقت شکست فاش دی جب ان کو عباسی سلطنت اور اس کی تمام تر سطوت و شوکت کی مکمل پشت پناہی حاصل تھی، امام موصوف نے جس استقامت سے یہ جنگ لڑی وہ تاریخ

دعوت و عزیمت کا سنہری باب ہے، ان کے جسم مبارک پر لگنے والا ہر کوڑا ظن و تخمین پر مبنی اصول و قواعد کے بت تراشنے والوں اور کتاب و سنت کی نصوص کو حیلوں بہانوں سے پس پشت ڈالنے والوں کی منحوس و نامبارک تحریک کے تابوت میں کیل بن گیا۔

امام المؤمنین، و امام الدین ابی الحدیث، فقہاء محدثین کے سرخیل، ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل البخاری رحمۃ اللہ علیہ کی تالیف شریف ”الجامع الصحیح المختصر من أمور رسول اللہ ﷺ و سننہ و آیامہ“ واضح الکتب بعد کتاب اللہ کا اعزاز و کرامت کی پیشانی کا جھومر بن چکی ہے محض ایک کتاب نہیں، وہ تشنگان علوم سنت کے لئے چشمہ تسنیم و سلسبیل ہے تو خیر الہدیٰ اور اسوۂ حسنہ کی راہ کے سالکوں کے لیے منار السبیل ہے اور اجتہاد کو آئمہ اربعہ میں مقصود و محدود قرار دے کر امت محمدیہ علی سیدھا الصلوٰۃ والسلام پر علمی بانجھ پن کی تہمت لگانے والوں کے مقابلہ میں مسکت دلیل اور فتنوں کے سیل یا جوج ماجوج کے سامنے سد سکندری ہے جس کے ساتھ تفریق فی الدین کی مذموم سازش، شریعت میں رخنہ اندازی کی کوشش، دلداد گان تاویل و تحریف کی شوریدہ سری اور تقلید جامد اور مذاہب کی حمیت جاہلیت کے فتنے رہتی دنیا تک اپنا سر پھوڑتے رہیں گے۔

بعد کے زمانوں میں بھی اسی مبارک جماعت کے سرکردہ علماء و فقہاء تجدید، احیاء دین کا فریضہ انجام دیتے رہے، امام احمد بن حنبلؒ نے اسی نعمت و توفیق کا شکر ادا کرتے ہوئے کہا ہے :

”الحمد لله الذي جعل في كل زمان فترة من الرسل بقايا من أهل العلم يدعون من ضل إلى الهدى و يصبرون منهم على الأذى يحيون بكتاب الله عز وجل الموتى و يبصرون بنور الله أهل العمى فكم من قتيل لإبليس قد أحيوه و كم من ضال تأنه قد هدوه فما أحسن أثرهم على الناس و أقبح أثر الناس عليهم“
ينفون عن كتاب الله تحريف الغالين و انتحال المبطلين و تأويل

الجاهلین“ (الرد علی الجہمیۃ)

”اللہ کا شکر ہے جس نے رسولوں میں وقفہ کے دوران ہمیشہ ایسے اہل علم پیدا فرمائے جو گمراہوں کو راہ ہدایت کی طرف دعوت دیتے رہے اور ان کی ایذا رسانیوں کے باوصف صبر کا مظاہرہ کرتے رہے، کتاب اللہ کے علوم کے ذریعہ مردہ دلوں کی حیات کا سامان کرتے رہے اور اللہ کے نازل کردہ نور شریعت کے ذریعہ اندھوں کو بصارت دیتے رہے، ابلیس کے کتنے ہی مارے ہوؤں کو انہوں نے زندہ کیا، اور کتنے ہی بھٹکے ہوؤں کو انہوں نے راہ راست دکھلائی ان کا لوگوں پر کتنا اچھا اثر ہے اور لوگوں کا ان سے رویہ کس قدر برا ہے؟ یہی لوگ ہیں جو غالیوں کی تحریف، باطل پرستوں کی دروغ بانی اور جاہلوں کی ہیرا پھیری سے کتاب اللہ کو محفوظ و مامون رکھتے ہیں۔“

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کے تجدیدی کارنامے

چنانچہ ساتویں صدی ہجری میں جب اعتقادی بدعات نے انگڑائی لی، رخص و اعتزال نے پھر سے سر اٹھایا اور مذہبی عصبيت اور تقلید و جمود نے بھی اپنا رنگ جمایا تو اس پر آشوب دور میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے علوم کتاب و سنت کی شمع جلائی اور وہ اس شان سے میدان میں اترے کہ ان کا قلم اس جنگ میں تلوار ہو گیا انہوں نے ایک ایک فتنے کو نیخ و بن سے اکھاڑ پھینکا، ان حضرات کے یہ کارنامے کسی شہادت کے محتاج نہیں، بلکہ :

آفتاب آمد دلیل آفتاب

کے مصداق اور روز روشن کی طرح آشکار ہیں، حافظ ابن قیم نے کیا خوب فرمایا ہے :

وإذا اردت تری مصارع من خلا من أمة التعطيل والكفران
وتراهم اسرى حقير شأنهم أيديهم غلت إلى الأدقان

و تراهم تحت الرماح دريئة ما فيهم من فارس طعان
و تراهم تحت السيوف تنوشهم من عن شمائلهم و عن أيمان
و تراهم والله ضحكة ساخر و لطالما سخرُوا من الإيمان
فاقرأ تصانيف الإمام حقيقة شيخ الوجود العالم الرباني
اعني أبا العباس أحمد ذلك البحر المحيط لسائر الحلجان
اگر کبھی تمہارے دل میں اہل کفر و تعطیل کے کشتوں کے پستے دیکھنے کی
خواہش پیدا ہو اور ان کے سرداروں کو ذلیل و خوار، زنجیروں میں جکڑے
ہوئے دیکھنا چاہو اور انہیں سپاہ اسلام کے نیزوں کی انیوں کے سامنے بے بس
ولاچار دیکھنے کی تمنا رکھتے ہو اور دائیں بائیں سے اہل حق کی شمشیروں کے
سامنے گھرے ہوئے نچیر کی طرح دیکھنا چاہتے ہو اور ایمان اور اہل ایمان کا
مذاق اڑانے والوں کو خود تماشا بنے ہوئے دیکھنا پسند کرو تو امام برحق، شیخ
الوجود، عالم ربانی ابو العباس احمد بن تیمیہ کی تصانیف کا مطالعہ کرو، وہی بحر ہے
کراں جو سب دریاؤں کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔

اس مقدس جماعت کے چودہ صدیوں پر محیط اور مسلسل کارناموں کا استقصاء
مقصود ہے اور نہ ممکن، اس وقت صرف یہ ذکر کرنا پیش نظر ہے کہ اسلام اور مسلمانوں
کی تاریخ میں اہل حدیث ہی وہ مسعود و پاکباز گروہ ہے جس نے ہر دور میں اس کے
تقاضوں کے مطابق دین حنیف کی خدمت انجام دی حفظ و تدوین حدیث کا مرحلہ ہو یا
فہم نصوص اور اصول فقہ و اجتہاد کی تشکیل و ترتیب کا، بیرونی حملوں سے کشور اسلام کے
دفاع کا معاملہ ہو یا اندرونی شورش سے نمٹنے کا، ہر مقام پر اس جماعت نے اپنا فریضہ
پہچانا اور اللہ تعالیٰ کی توفیق سے بطریق احسن اس سے عمدہ برآ ہوئی، اور ہدایت و رحمت
اور نصرت کی مستحق ٹھہری۔

علوم نبوت کی وارث اور دعوت ختم الرسل ﷺ کی امین و علمبردار اس جماعت کی
مخالفت بھی انہیں خطوط پر ہوئی جن پر انبیاء و مرسلین علیہم الصلوٰۃ والسلام کی ہوئی تھی۔

اہل حدیث کے مخالفین کے دو گروہ

ایک گروہ خانہ ساز قواعد کو قطعی دلائل قرار دیتا اور پھر نصوص کتاب و سنت کو ان سے متصادم قرار دیتا ہے، تاویل کے نام پر تحریف سے بھی کام نہ بنتا تو پوری ڈھٹائی کے ساتھ آیات و احادیث کو ٹھکرا دیتا۔

تو دوسرا گروہ

﴿بَلْ تَتَّبِعْ مَا الْفَيْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا﴾

”ہم تو انہی باتوں پر چلیں گے جن پر ہم نے اپنے آباء و اجداد کو چلتے ہوئے پایا۔“

کی ہٹ پر قائم رہنے ہی کو سب سے بڑی دلیل اور فلاح فی الدارین کی شہ کلید باور کئے ہوئے تھا۔

جب نقشہ قدیم تھا تو نتیجہ مختلف نہیں ہو سکتا تھا حقائق کے سورج کے سامنے تکبر نخوت، جہالت پر غرور اور تقلید و جمود کی شب دیبجور کیسے ٹھہر سکتی تھی، ہزیمت ان کا مقدر بن گئی، آئمہ مجتہدین کے نام پر امت کو تقسیم کرنے والے بہت سے فقہاء شعوری یا غیر شعوری طور پر ان درآمدی نظریات سے متاثر تھے ان کا تاثر مذاہب کے اصول فقہ کی وساطت سے فروغ تک جا پہنچا اس لئے یہ گروہ بھی ان گمراہ فرقوں کے قائم کردہ مفروضوں سے تاثر کے تناسب سے ہدایت، رحمت اور نصرت سے دور اور محروم ہی رہے :-

﴿سُنَّةَ اللَّهِ الَّتِي قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ وَلَكِنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللَّهِ تَبْدِيلًا﴾

(الأحزاب- ۶۲)

”ان سے اگلے لوگوں میں اللہ کا یہی دستور رہا اور تم اللہ کے دستور میں ہرگز رد و بدل نہ پاؤ گے۔“

اگر کسی نے ان کی غلط روش پر متنبہ کرتے ہوئے انہیں راہ راست دکھانے کی کوشش کی تو یہ :

﴿إِنَّا وَجَدْنَا آبَاءَنَا عَلَىٰ أُمَّةٍ وَإِنَّا عَلَىٰ آثَارِهِم مُّهُتَدُونَ﴾ (الزحرف- ۲۲)
 ”ہم نے اپنے آباء و اجداد کو ایک راہ پر پایا اور ہم بھی ان کے کے نقش قدم پر
 درست جا رہے ہیں“ کہہ کر اپنی گمراہی پر مصر رہے۔

مقلدین کی خوش فہمی اور خود فریبی

اگر انہیں کتاب و سنت کی طرف رجوع کر کے امت کا شیرازہ متحد کرنے اور
 رحمت الہی کا مستحق بننے کی دعوت دی گئی تو یہ لوگ اختلاف ہی کو باعث رحمت ثابت
 کرنے لگتے ہیں اور اس باب میں ”اختلاف امتی رحمة“ کے خانے ساز جملے کو غلط
 طور پر حدیث رسول ﷺ مشہور کرنے لگے اور جب استدلال کے میدان میں منہ کی
 کھائی تو شکست کے زخم مندمل کرنے اور وابستگان دامن تقلید کا احساس ہزیمت مٹانے
 اور اپنے گروہ کی برتری ثابت کرنے کے لئے من گھڑت داستانیں مشہور کیں اور کبھی
 ایسے معرکوں کی روداد بیان کی جو کبھی وقوع پذیر نہیں ہوئے اور کبھی واقعات کو توڑ
 مروڑ کر شکست کو فتح کا نام دینے کی کوشش کی، اگر ان سب باتوں کی مثال یکجا دیکھنا ہو تو
 خود کو حنفی کہلانے والے حضرات کو دیکھ لیجئے کہ :

یار ما این دارد و آن نیز ہم

امام ابو حنیفہؒ کی فقہی مجلس کا شوشہ

افسانہ طرازی کا یہ سلسلہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی فقہی پارلیمنٹ کے شوشے سے
 شروع ہوا، حنفی مذہب کے ان نادان دوستوں نے یہ بھی خیال نہیں کیا کہ اس طرح
 سے وہ اپنے گراں قدر آئمہ کے بارے میں کوئی اچھا تاثر پیدا نہیں کر پائیں گے کیونکہ
 فقہ حنفی کے اصول و فروع پر نگاہ ڈالے بغیر کوئی شخص اس حکایت پر ایمان بالغیب لے
 آئے تو اور بات ہے ورنہ جس کسی نے اس فقہی عجائب خانہ کو سرسری نظر سے بھی دیکھا
 آئمہ مذہب کے بارہ میں حسن ظن کی دولت سے ہاتھ دھوئے بغیر نہ رہ سکے گا بلکہ اسے
 مقدور ہو تو اس مزعومہ مجلس شوری کے ہر مبینہ رکن عالی مقام سے پوچھے گا۔

یہی شاہکار ہے تیرے ہنر کا؟

اس کے بعد داستان سراؤں نے امام ابو حنیفہؒ اور امام اوزاعیؒ کے مابین رفع الیدین کے موضوع پر ایک مناظرہ کی روداد تصنیف کر ڈالی جس کا ایک ایک لفظ اسے گھڑنے والے کی دروغ بانی پر شاہد ہے، امام صاحبؒ کے منہ سے جو الفاظ اس داستان گو نے نکلوائے ہیں سنت نبوی کے تشریعی مقام اور اس کی عظمت و اہمیت کا ادنیٰ شعور رکھنے والا کوئی شخص انہیں زبان پر لانے کی جسارت نہیں کر سکتا۔

افسوس ہے کہ حضرات مقلدین فرط تعصب میں اس حکایت کو فخریہ بیان کرتے چلے آتے ہیں، حالانکہ اس میں حضرت امام صاحبؒ کا جو رویہ پیش کیا گیا ہے وہ ان کے مقام و مرتبہ، نیز علمی مسائل میں گفتگو کے آداب اور وقار سے کوئی مناسبت نہیں رکھتا۔

علماء کرام نے ان افسانوں اور داستانوں کی حقیقت کھول کر رکھ دی ہے تاہم تائید مذہب بذریعہ حکایات کی محنت جاری رکھنے والوں نے بھی ہمت نہیں ہاری... یہ سلسلہ ہنوز جاری ہے ہمارے زمانے میں قرعہ فال مولانا ظفر احمد تھانوی کے نام نکلا انہوں نے ایک نوجوان کا قصہ تحریر فرمایا ہے جو سہارن پور کے مدرسہ حنفیت کا فیض یافتہ تھا لیکن کسی کی نظر بد لگنے سے اہل حدیث ہو گیا تھا، پھر مولانا کی تدبیر بلکہ تقریر دلپذیر کی برکت سے دوبارہ مشرف بہ حنفیت و تقلید ہو گیا۔

پورا قصہ پڑھ کر بھی معلوم نہیں ہو پاتا کہ مولانا کیا ثابت کرنا چاہتے ہیں پورا مضمون اول سے آخر تک احساس شکست کی پردہ پوشی کی ناکام کوشش کے سوا کچھ نہیں، اگر انہیں حنفیت کے پائے چوبیس کو با تمکین ثابت کرنے کے لئے واقعی کچھ دلائل میسر آ ہی گئے تھے تو ان سوالوں کے جوابات مرحمت فرمانے کی زحمت گوارا کرتے جن کے جواب میں امام محمد بن حسن الشیبانی کو امام شافعیؒ کے سامنے ساکت پانی کی طرح خاموش ہونا پڑا تھا، اعلام الموقعین کے اصولی و فروعی مباحث صدیوں سے مقلدین اور تعصب مذہبی کے مبلغین کو مبارزت طلب نگاہوں سے دیکھ رہے ہیں، لیکن کسی کو آنکھ

اٹھا کر دیکھنے کی ہمت نہیں ہوئی معیار الحق اور الارشاد میں اٹھائے گئے سوالات کب سے تشنہ جواب ہیں اور پوری امت تقلید دم بخود اور مبسوت ہے، مولانا نے ہمت فرمائی بھی تو قرض چکانے کی بجائے اپنے خود ساختہ تلمیذ کا قصہ اس انداز سے سنانا شروع کیا کہ ۷
خود ہی قاتل خود ہی شاہد، خود ہی منصف

بن کر بیٹھ گئے۔

اس حکایت کو مکمل طور پر مبنی بر حقیقت بھی فرض کر لیا جائے تو صرف اس قدر معلوم ہوتا ہے کہ شاگرد بے چارہ ۷

سرگشتہ خمار رسوم و قیود تھا

اور حدیث عمد بالخفیہ ہونے کے باعث سہارنپوری اثرات سے پوری طرح نجات نہ پاسکا تھا، اور اسے قرآن کے متعلق حنفیہ کے اساطین اسلاف و اخلاف کی روش کا ادراک نہ تھا، سادگی یا خوش عقیدگی کی بنا پر یہ باور کئے ہوئے تھا کہ اہل حدیث کا اختلاف صرف عمل بالحدیث^{صحیح} تک محدود ہے اور اس حقیقت سے بے خبر تھا کہ احناف کا اختلاف کا عقیدہ و عمل قرآن کے متعلق بھی حدیث نبوی کے بارے میں ان کے طرز عمل سے مختلف نہیں بلکہ اس میں بھی ان کی روش علماء اہل کتاب کے مشابہ ہے جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا :-

﴿أَفْتُونُومُنُونَ بَبَعُصِ الْكُتَابِ وَ تَكْفُرُونَ بَبَعُصِ﴾

”کیا کتاب کے بعض احکام پر ایمان رکھتے ہو اور بعض کے ساتھ کفر کرتے

ہو۔“

اور

﴿إِنْ يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَ مَا تَهْوَى الْأَنفُسُ﴾

”وہ تو صرف اپنے اٹکل اور خواہشات نفس کی پیروی کرتے ہیں۔“

یہی ان کا وطیرہ ہے۔

کیا ارشاد فرمایا؟ کہ ”اہل حدیث قرآن پر عمل نہیں کرتے“ اگر وہاں سچ مچ اہل

حدیث طالب علم ہوتا تو یہ کہے بغیر نہ رہ سکتا :-

لا تبہتوا اہل الحدیث فما بہ ذا قولہم تباً لذلّی البہتان
”اہل حدیث پر تہمت طرازی نہ کرو کہ یہ جو تم کہہ رہے ہو ان کا قول نہیں
ہے، ناس ہو بہتان طراز کا“

اہل حدیث پر ناحق زبان طعن دراز کرنے کے شوق میں حضرت کو یہ بھی یاد نہیں
رہا کہ قرآن تو احسن الحدیث ہے، یہ کیسے ممکن ہے کہ اہل الحدیث کا مرجع اول نہ ہو،
اہل الحدیث والسنہ کا جرم صرف یہ ہے کہ وہ نبی اکرم ﷺ کی احادیث کو بھی وحی سمجھتے
ہیں اس لئے کہ قرآن فرماتا ہے :

﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ۖ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ﴾ (النجم-۴۳)
”وہ نبی ﷺ اپنی خواہش سے نہیں بولتا، یہ تو وحی ہے جو اس پر نازل ہوتی
ہے۔“

سنت رسول ﷺ کی محبت و اتباع نے ان کے سینے اس قدر منور کر دیئے ہیں کہ
جس جس مقام پر اہل زیغ و زلل کو قرآن و سنت متعارض نظر آتے ہیں یہ حضرات
انفاس رسول ﷺ کی برکت سے دونوں کی مطابقت کا علم یقین حاصل کر کے ایمان کو
قوی کرتے ہیں سچ فرمایا اللہ تعالیٰ نے :-

﴿وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ يَقُولُونَ آمَنَّا بِهِ كُلٌّ مِنْ عِنْدِ رَبِّنَا وَمَا يَذَّكَّرُ
إِلَّا أُولُوا الْأَلْبَابِ﴾ (آل عمران-۷)

”جو کچھ عالم ہیں کہتے ہیں ہم اس پر ایمان لائے سب کچھ ہمارے رب کی
طرف سے ہے، اور عقل والوں کے سوالوگ سمجھانے سے نہیں سمجھتے۔“
نیز فرمایا :

﴿وَلْيَعْلَمَ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ أَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ فَيُؤْمِنُوا بِهِ فَتُخْبِتَ لَهُ
قُلُوبُهُمْ وَإِنَّ اللَّهَ لَهَادِ الَّذِينَ آمَنُوا إِلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ﴾ (الحج-۵)
”اور اس لئے کہ اہل علم یقین کر لیں کہ یہ (قرآن) آپ کے رب ہی کی

طرف سے حق ہے پھر وہ اس پر ایمان لائیں اور ان کے دل اس کی طرف جھک جائیں، یقیناً اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو راہ راست کی طرف رہبری کرنے والے ہیں۔“

قرآن و سنت میں تعارض ناممکن ہے

اس بات پر ایمان لانے کے بعد کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول اور پیغمبر ہیں، ان کے فرامین مبنی بروحی الہی ہیں، قرآن و سنت میں ٹکراؤ چہ معنی دارد۔

اس مسئلہ میں اہل حدیث کا موقف واضح اور دو ٹوک ہے امام شافعیؒ فرماتے ہیں:

”فمن قبل عن رسول الله ﷺ فعن الله قبل لما افترض الله من طاعته فيجمع القبول لما في كتاب الله و سنة رسول الله ﷺ القبول لكل واحد منهما عن الله و إن تفرقت فروع الأسباب الى قبل بها عنهما كما أحل و حرم و فرض و حد بأسباب متفرقة كما شاء جل ثناؤه لا يسأل عما يفعل وهم يسألون“ (الرسالة ۳۳)

”جس شخص نے رسول اللہ ﷺ کے فرمان پر عمل کیا اس نے درحقیقت اللہ تعالیٰ کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کیا اس لئے کہ آپ ﷺ کی اطاعت کو اللہ تعالیٰ نے فرض قرار دیا ہے، اس اعتبار سے عمل کتاب اللہ پر ہو یا رسول اللہ ﷺ کی سنت پر، منع ایک ہونے کے سبب سے فرمانبرداری اللہ کی ہی ہوتی ہے اگرچہ اس کا ہم تک پہنچنے کا ذریعہ الگ الگ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حلت، حرمت، فرائض اور حدود بیان کرنے کے لئے اپنی حکمت بالغہ کے مطابق مختلف طریقے اختیار فرمائے رب ذوالجلال والا کرام سے پوچھا نہیں جاسکتا کہ اس نے یہ طریقہ اختیار کیوں کیا اور دوسرا کیوں نہیں کیا (البتہ مخلوق سے سوال ہو گا کہ اس نے کہاں تک فرمانبرداری کی اور اطاعت تعاری کا مظاہرہ کیا“

سادات حنفیہ پر یہ امر تو مخفی نہیں ہو گا کہ :

﴿وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا﴾ (الحشر-۷)
 ”اور جو کچھ تمہیں رسول دے اسے لے لو اور جس چیز سے منع کرے اس سے باز رہو۔“

اور

﴿وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ﴾ (التغابن-۱۳)
 ”اور حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول اللہ ﷺ کا“

اور

﴿مَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ﴾ (النساء)
 ”جس کسی نے رسول ﷺ کی اطاعت کی اس نے درحقیقت اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کی“

قرآن کی ہی آیات ہیں، لہذا قرآن پر عمل ایک چیز ہے اور قرآن پر عمل کا دعویٰ کرتے ہوئے سنن صحیحہ و معروفہ کو قرآن سے متصادم قرار دے کر رد کر دینا اس سے الگ اور مختلف چیز ہے ان میں سے پہلی اہل حدیث کا طرہ امتیاز ہے اور دوسری اہل تقلید کا شیوہ

(وَشَتَانِ بَيْنَ مُشْرِقٍ وَ مُغْرَبٍ)

اہل حدیث اپنی اس روش پر قائم رہنے کے لئے اپنے ایمان کے ہاتھوں مجبور ہیں، لوگوں کے طعن و تشنیع اور تباہ بالا القاب کی انہیں کیا پرواہ؟ ان کے لئے اللہ رب العالمین کی جانب سے ملنے والی بشارت کافی ہے :

﴿وَالَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ وَلَمْ يُفَرِّقُوا بَيْنَ أَحَدٍ مِنْهُمْ أُولَٰئِكَ سَوْفَ يُؤْتِيهِمْ أَجُورَهُمْ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا﴾ (النساء-۱۵۲)
 ”اور جو لوگ اللہ اور رسولوں پر ایمان لائے اور ان میں کوئی فرق نہ کیا ان کو عنقریب اللہ ان کا انعام عطا فرمائے گا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔“

حضرات مقلدین اپنے جس طرز عمل کو عمل بالقرآن قرار دے کر فخور و مغرور ہیں، جہمیہ، معتزلہ، اور خوارج کی زلہ خواری کے سوا کچھ نہیں اور ان اصول و ضوابط کی حیثیت خوئے بد کے بہانہ ہائے بسیار سے زیادہ نہیں، ان تمام گمراہ اور بدعتی گروہوں کے تمام امتیازی مسائل کی بناء فاسد یہی قاعدہ تو ہے چنانچہ جہمیہ نے صفات باری تعالیٰ پر مشتمل صحیح ترین احادیث کو

﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ﴾

”اس جیسی کوئی چیز نہیں“

سے متصادم قرار دیا اور رد کر دیا، معتزلہ نے تقدیر کا انکار کرنے کے لئے یہی عذر لنگ تراشا کہ وہ تمام احادیث جن میں تقدیر کا بیان ہے اس آیت :-

﴿وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيدِ﴾

”اور تیرا رب بندوں پر ظلم نہیں کرتا“

سے متعارض ہیں۔

خوارج اور معتزلہ نے حضور رحمت عالم ﷺ کی شفاعت اور اس کی بدولت گناہ گار مسلمانوں کے جہنم سے نجات پالینے کا انکار کر دیا، ان کے زعم میں اس مضمون کی تمام احادیث آیات قرآنی:

﴿وَمَا هُمْ بِخَارِجِينَ مِنَ النَّارِ﴾ (بقرہ۔ ۱۶۷)

”اور وہ لوگ آگ سے نکلنے والے نہیں“

اور

﴿رَبَّنَا إِنَّكَ مَن تَدْخِلُ النَّارَ فَقَدْ أَخْرَجْتَهُ وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ أَنْصَارٍ﴾

(آل عمران۔ ۱۹۲)

”اے ہمارے پروردگار جسے تو نے دوزخ میں ڈالا اس کو تو نے رسوا کیا اور

ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔“

کے خلاف ہیں، لہذا ناقابل اعتماد ہیں۔

یہی اصول بشر مرہیسیؑ اور قاضی عیسیٰ بن ابانؑ جیسے سنت و اہل سنت کے اعداء کی وساطت سے کشور حقیقت کے دستور کی بنیاد بنے، جن کے نقش قدم پر چلتے ہوئے یہ حضرات متواتر اور مشہور احادیث رد کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ قرآن پر عمل ہو رہا ہے :

﴿وَهُمْ يَحْسِبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا﴾

قرآن اللہ تعالیٰ کا پیغام ہدایت و رحمت ہے، اس پر عمل کی توفیق حق تعالیٰ کا خاص انعام ہے جو غیر مشروط طور پر اطاعت رسول ﷺ کرنے والوں کے لئے خاص ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے :

﴿وَإِنْ تَطِيعُوهُ تَهْتَدُوا﴾ (النور - ۵۴)

”اگر اس کی فرمانبرداری کرو گے تو ہدایت پاؤ گے“

نیز فرمایا :

﴿وَاطِيعُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ﴾ (آل عمران - ۱۳۲)

”اور اللہ اور رسول ﷺ کی فرمانبرداری کرو تا کہ تم پر رحم ہو۔“

نیز فرمایا :

وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ فَسَأَكْتُبُهَا لِلَّذِينَ يَتَّقُونَ وَيُؤْتُونَ
الزَّكَاةَ وَالَّذِينَ هُمْ بِآيَاتِنَا يُؤْمِنُونَ ۝ الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ
الْأُمِّيَّ الَّذِي يَجِدُونَهُ مَكْتُوبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرَةِ وَالْإِنْجِيلِ يَأْمُرُهُمْ
بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ

۱۔ بشر بن غیاث مرہیسی متوفی ۲۱۰ھ امام ابو حنیفہ سے کسب فیض کرنے کے بعد امام ابو یوسف کے حلقہ درس سے وابستہ ہوئے ان کے خاص تلامذہ میں شمار ہوتے تھے، متعصب معتزلی تھے اور علم کلام کے دلدادہ، بلکہ اس قدر غالی کہ بعض علماء اہل سنت نے انہیں زندیق قرار دیا، عقیدہ خلق قرآن کے سختی سے قائل تھے۔ (الفوائد الہیہ ص ۴۱)

۲۔ قاضی عیسیٰ بن ابان متوفی ۲۲۱ھ امام حسن ابن زیاد اور امام محمد سے علم فقہ کی تحصیل کی، ناموں کے خاص مصاحبوں میں سے تھے، امام احمد بن حنبلؑ کے ابتلا کے پس منظر میں کافی حد تک ان کی مساعی کار فرما تھیں۔ (الفوائد الہیہ ص ۱۵۱)

عَلَيْهِمُ الْحَبَائِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ
فَالَّذِينَ آمَنُوا بِهِ وَعَزَّرُوهُ وَنَصَرُوهُ وَاتَّبَعُوا النُّورَ الَّذِي أُنْزِلَ مَعَهُ
أُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ (الأعراف- ۱۵۶-۱۵۷)

”میری رحمت ہر شے کو شامل ہے اور اب میں اپنی رحمت خاص ان لوگوں کے حق میں لکھ دوں گا جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں، زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور ہماری آیات پر ایمان لاتے ہیں، جو لوگ اس رسول نبی امی کی اتباع کرتے ہیں جس کو وہ اپنے ہاں توراۃ و انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں وہ ان کو نیکی کا حکم دیتا ہے اور بدی سے منع کرتا ہے اور پاکیزہ چیزیں ان کے لئے حلال بتاتا ہے اور بری چیزیں ان کے لئے حرام ٹھہراتا ہے اور ان پر سے بوجھ اور طوق جو ان پر تھے اتارتا ہے، تو جو لوگ اس پر ایمان لائے اور ان کی رفاقت اختیار کی اور انہیں مدد دی اور جو نور ان کے ساتھ نازل ہوا اس کی پیروی کی وہی مراد پانے والے ہیں۔“

رسول اکرم ﷺ کا فرمان ہدایت نشان واضح طور پر معلوم ہو جانے کے بعد اس کی مخالفت کرنا باعث انعام نہیں ہو سکتا ایسا کرنے والے سے توفیق چھین لی جاتی ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے :

﴿وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ
الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّى﴾ (النساء- ۱۱۵)

”اور جو شخص سیدھا راستہ معلوم ہو جانے کے بعد پیغمبر کی مخالفت کرے گا اور مومنوں کے راستے کے سوا اور راستہ پر چلے گا ہم اسے ادھر ہی چلنے دیں گے۔“

اور توفیق الہی سے محروم لوگ قرآن کو سمجھ سکتے ہیں نہ اس پر عمل کر پاتے ہیں بلکہ اللہ کی نازل کردہ کتاب سے دور بھٹکتے رہ جاتے ہیں، ارشاد باری تعالیٰ ہے :

﴿سَأَصْرِفُ عَنْ آيَاتِيَ الَّذِينَ يَتَكَبَّرُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ﴾ (الأعراف- ۱۴۵)

”اور جو لوگ زمین میں ناحق غرور کرتے ہیں ان کو اپنی آیتوں سے پھیرے رکھوں گا۔“

چنانچہ یہ محض اتفاق نہیں تھا بلکہ قرآن کی آسمانی تفسیر یعنی سنت رسول ﷺ سے اعراض کی پاداش تھی کہ قرآن نے حکم دیا:

﴿وَيَا بَكَ فَطَهِّرْ﴾ (المدثر- ۴)

”اور اپنے کپڑے پاک رکھو“

اور یہ حضرات فرماتے ہیں:

”ومن أصابته من النجاسة المغلظة كالدم والبول والغائط والخمر

مقدار الدرهم وما دونه جازت صلوته معه“ (كتاب القدوری ۳۳)

”مغلظ نجاست (خون، پیشاب، پاخانہ، شراب وغیرہ) بقدر ساڑھے تین ماشہ

(جسم یا کپڑے کو) لگی ہو تو اس کے ساتھ ہی نماز پڑھنا جائز ہے“

قرآن نے تصریح فرمائی:

﴿وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ أَرَادَ أَنْ يُتِمَّ

الرِّضَاعَةَ﴾ (البقرہ- ۲۳۳)

”اور مائیں اپنے بچوں کو پورے دو سال دودھ پلائیں یہ حکم اس شخص کے لئے

ہے جو پوری مدت تک دودھ پلوانا چاہتا ہے۔“

لیکن امام ابو حنیفہ کی رائے ہے کہ مدت رضاعت دو سال اور چھ مہینے ہے ان کے نکتہ ہائے غریب، دقیق تو ہیں لیکن صاحبین کو بھی متاثر اور قائل نہیں کر سکتے، لیکن اصحاب متون نص قرآنی کو پیروی کی بجائے سارا زور اس نکتہ کے بیان پر صرف کرتے رہے کہ فتویٰ امام صاحب کے قول پر ہو گا کہ ظاہر الروایہ یہی ہے علامہ کاسانی کی پریشانی ان کی طول بیان کے باوجود چھپائے نہیں چھپتی، حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے اس قول کی وکالت کرتے ہوئے ایسی تاویل فرمائی ہے جس پر قادیانی علم کلام کی پر چھائیں صاف نظر آتی ہیں ارشاد فرماتے ہیں:

”فكون الحولين تاما لا ينافي كون الحولين والنصف أتم“ (بیان

القرآن)

”دو سال کی مدت رضاعت کامل ہونے سے اڑھائی سال کے اکمل ہونے کی نفی نہیں ہوتی“

ان حقائق صارخہ کی موجودگی میں حضرت مولانا کا یہ دعویٰ کرنا کہ اہل الحدیث قرآن پر عمل نہیں کرتے ”شیئے کے مکان میں بیٹھ کر دوسروں کے گھروں پر سنگ باری“ کرنے کے سوا کیا معنی رکھتا ہے؟

مزید ارشاد ہوتا ہے ”لیکن حنفیہ کا اصول یہ ہے کہ وہ اول قرآن کو دیکھتے ہیں پھر احادیث کو اور جس حدیث کو نص قرآن کے موافق پاتے ہیں اس کو ترجیح دیتے ہیں... الخ۔

کاش مولانا کے سامنے اس وقت سچ مچ کوئی اہل حدیث طالب علم ہوتا، مولانا کے پاؤں دابتا لیکن خود دبتا نہ تھا حقائق دابنے دیتا اور ادب کے ساتھ عرض خدمت کرتا کہ حضرت! یہ تو ارشاد فرمادیجئے کہ حنفیہ کے اس عظیم الشان ”اصول“ کے ماخذ و بنیاد قرآن حکیم کی کون سی آیت ہے، یہ قاعدہ آپ حضرات نے ”فرمان الہی“:

﴿وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ

اللَّهُ شَدِيدُ الْعِقَابِ﴾ (الحشر-۷)

”اور جو کچھ تمہیں رسول دے اسے لے لو اور جس سے منع کرے باز رہو اور

اللہ سے ڈرو بیشک اللہ سخت عذاب دینے والا ہے۔“

سے بطریق ”عبارۃ النص“ سمجھا، آیت کریمہ:

﴿مَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ﴾ (النساء-۸۰)

”جس کسی نے رسول ﷺ کی اطاعت کی بلاشبہ اس نے اللہ کی اطاعت کی“

یا بطریق ”دلالة النص“ آپ نے یہ مفہوم اخذ کیا، یا ارشاد ربانی:

﴿وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَاحْذَرُوا فَإِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَأَعْلَمُوا أَنَّكُمْ

عَلَى رَسُولِنَا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ ﴿۹۲﴾ (المائدة- ۹۲)

”اور اللہ کی فرمانبرداری اور رسول کی اطاعت کرتے رہو اور ڈرتے رہو اگر منہ پھیرو گے تو جان رکھو کہ ہمارے رسول کے ذمے تو صرف پیغام کھول کر پہنچا دینا ہے۔“

کی ”اشارۃ النص“ نے یہ معنی سمجھا دیا؟؟؟

ظاہر ہے ان آیات بینات سے مذکورہ اصول کوئی مطابقت نہیں رکھتا، اگر اس کی کچھ بنیاد ملتی ہے تو ان آیات کریمہ میں جن میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا :-

﴿إِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ وَيُرِيدُونَ أَنْ يُفَرِّقُوا بَيْنَ اللَّهِ وَرُسُلِهِ وَيَقُولُونَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَنَكْفُرُ بِبَعْضٍ وَيُرِيدُونَ أَنْ يَتَّخِذُوا بَيْنَ ذَلِكَ سَبِيلًا ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ حَقًّا ۚ وَأَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا مُهِينًا﴾ (النساء- ۱۵۱)

”جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوں کے انکاری ہیں اور اللہ اور اس کے رسولوں میں فرق کرنا چاہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم بعض کو مانتے ہیں اور بعض کو نہیں اور اس کے درمیان راہ نکالنا چاہتے ہیں وہی حقیقی کافر ہیں اور کافروں کے لئے ہم نے عذاب تیار کر رکھا ہے۔“

نیز فرمایا :-

﴿وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا إِلَىٰ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ وَإِلَىٰ الرَّسُولِ رَأَيْتِ الْمُنَافِقِينَ يَصُدُّونَ عَنْكَ صُدُودًا ۚ فَكَيْفَ إِذَا أَصَابَهُمْ مُصِيبَةٌ بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ ثُمَّ جَاءُوكَ يَحْلِفُونَ بِاللَّهِ إِنَّ أَرْدُنَا إِلَّا إِحْسَانًا وَتَوْفِيقًا﴾ (النساء- ۶۱، ۶۲)

”اور جب انہیں کہا جاتا ہے کہ اللہ کے نازل کردہ پیغام اور رسول کی تعلیمات کی طرف آؤ تو تم دیکھتے ہو کہ منافق مکمل اعراض کرتے ہیں، کیا حال ہو گا جب ان کی اس روش کی پاداش میں ان پر مصیبت آئے گی تو

تمہاری طرف آئیں گے اور اللہ کی قسمیں کھائیں گے کہ ہمارا مقصد نیک اور باہم موافقت پیدا کرنا تھا۔“

حنفیہ کے دعویٰ عمل بالقرآن کی حقیقت

کاش مولانا موصوف جیسے علماء کی ژرف نگاہی دوسروں کی آنکھ میں تنکا تلاش کرنے کی بجائے اپنی آنکھ کا شہتیر دیکھنے میں صرف ہوتی، اور ان پر یہ حقیقت مخفی نہ رہتی کہ محض پندار اور بلند آہنگ گفتار سے حقائق نہیں بدل سکتے، فقہ حنفی کے اسفار کا ہر ورق شاہد ہے کہ تاسیس اصول کا مرحلہ ہو یا تخریج فروع کا عرصہ، یہ حضرات ”القرآن“ کو نہیں صرف ”القرآن“ کو دیکھتے ہیں اور احادیث الرسول ﷺ فداہ ارواحنا و انفسنا کی بجائے احادیث النفس پر اعتماد کرتے ہیں، اس کی مثالیں ذکر کی جا چکی ہیں، ناکافی ہوں تو مزید سن لیجئے۔

اللہ تعالیٰ قرآن حکیم میں رشاد فرماتے ہیں :-

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ

الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هَذَا﴾ (التوبة - ۲۸)

”اے ایمان والو! مشرک تو پلید ہیں، تو اس برس کے بعد وہ مسجد حرام کے قریب نہ پھٹکنے پائیں“

رسول اکرم ﷺ نے اس فرمان الہی کی تاویل و تعمیل اس طرح کی کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو امیر حج بنا کر روانہ کیا تو انہوں نے آپ ﷺ کے حکم کے مطابق حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور دیگر اصحاب کے ذریعہ مشاعر حج میں اعلان کروایا کہ :

”أَنْ لَا يَحُجَّ بَعْدَ الْعَامِ مُشْرِكٌ وَلَا يَطُوفَنَّ بِالْبَيْتِ غُرَبَاءُ“ (متفق علیہ)

”اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہ کرے اور نہ کوئی برہنہ طواف کرے“

اور سادات حنفیہ فرماتے ہیں :

”لا بأس بأن يدخل أهل الذمة المسجد الحرام“ (الهداية)
 ”اہل ذمہ کے مسجد حرام میں داخل ہونے میں کوئی حرج نہیں۔“
 ارشاد باری تعالیٰ ہے :-

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلِ﴾ (البقرة-۱۷۸)
 ”اے ایمان والو! مقتول کے بارے میں قصاص (خون کے بدلے خون) تم پر فرض کیا گیا ہے“

اس آیت میں قتل عمد کی سزا قتل بیان کی گئی ہے سوائے اس کے کہ مقتول کے ورثاء معاف کر دیں یا دیت لینے پر رضا مند ہو جائیں، اس بارہ میں ذریعہ قتل سے تعرض نہیں کیا گیا، پھر مار کر مارے یا زہر دے کر، قتل کرنے والے کو قاتل ہی شمار کیا جائے گا۔

چنانچہ سنن ابی داؤد وغیرہ میں ہے کہ ایک یہودی عورت نے حضرت رسول اکرم ﷺ اور بعض صحابہ کو کھانے پر بلایا اور گوشت میں زہر ملا دیا، نبی اکرم ﷺ کو بذریعہ وحی اطلاع ہو گئی تو اصحاب رضی اللہ عنہ کو کھانے سے ہاتھ اٹھانے کا حکم دیا، اسی زہر کے اثر سے حضرت بشر بن البراء بن معرور رضی اللہ عنہ وفات پا گئے تو اس یہودیہ کو بلوا کر قصاص میں قتل کر دیا گیا، (باب فمن سقى رجلا سما اور أطعمه فمات ایقاد منہ؟) حدیث (۴۵۱۰-۴۵۱۴)

لیکن سادات حنفیہ فرماتے ہیں :-

(وإذا سقى رجلا سما فمات من ذلك فإن أوجره أيجارا على كره منه اور ناوله ثم أكرهه على شربه حتى شرب، او ناوله من غير إكراه عليه، فإن أوجره، او ناوله، أو أكرهه على شربه فلا قصاص عليه و على عاقلته الدية) (الفتاوى الهندية عالمگیری ۶/۶)

”ایک شخص کسی کو زہر کھلا دے اور وہ اس سے مر جائے، اس کے منہ میں زبردستی ڈالا ہو یا اسے پکڑا دیا پھر اسے پینے پر مجبور کیا ہو یہاں تک کہ وہ پی

لے یا وہ مجبور کئے بغیر ہی از خود پی لے اور مر جائے تو ان تمام صورتوں میں زہر دینے اور پلانے والے سے قصاص نہیں لیا جائے گا، تاہم اس کا عاقلہ (قبیلہ) دیت دینے کا ذمہ دار ہے۔“

یعنی نہ تو قرآن کے عمومی حکم کی تعمیل کی گئی اور نہ حدیث میں مذکور رسول اکرم ﷺ کے عادلانہ فیصلہ کو درخور اعتنا سمجھا گیا نوبت بایں جارسید کہ بعض صورتوں میں قصاص سے بچنے کے حیلے کے طور پر زہر دہی کا مشورہ بھی ”فقہاء“ نے دیا، ارشاد ہوتا ہے، سنئے اور سر دھنئے :-

”إمرأة علمت أن زوجها طلقها ثلاثاً وهو ينكر ولا تقدر المرأة على منع نفسها منه فيباح لها القتل و لكن ينبغي أن لا تقتله بآلة القتل لأنها لو قتلت بآلة جراحة تقتل قصاصاً“ (فتاویٰ قاضی خان ۱/۴۳۱)

”کسی عورت کو اس کا شوہر تین طلاقیں دے چکا اب انکاری ہے، عورت اس سے خود کو بچا نہیں سکتی، تو اس کے لئے روا ہے کہ اسے قتل کر ڈالے تاہم مناسب ہے کہ اسے قتل کے معروف آلات سے قتل نہ کرے کیونکہ اس صورت میں وہ خود قصاص میں قتل کر دی جائے گی۔“

ایک طرف کسی عقیفہ کو قتل کا مشورہ دیا جا رہا ہے تو دوسری طرف فراخ دلی کا یہ عالم ہے کہ فرماتے ہیں :-

”رجل ادعى على امرأة نكاحاً وهي تجحد وأقام عليها شاهدة زور وقضى القاضي بالنكاح بينهما، حل للرجل وطؤها وحل للمرأة التمكين منه عند أبي حنيفة و أبي يوسف“ (عالمگیری ۳/۳۵۰-۳۵۱)

”ایک شخص کسی عورت پر اپنی منکوحہ ہونے کا دعویٰ کرتا ہے، عورت انکار کرتی ہے یہ جھوٹے گواہ کھڑے کر لیتا ہے، قاضی صاحب نکاح کا فیصلہ صادر

فرمادیں تو اس آدمی کے لئے اپنے کھڑے کئے ہوئے جھوٹے گواہوں کی بنا پر قرار دی گئی منکوحہ سے مباشرت کرنا حلال ہوگا، اور اس عورت کو بھی حلال ہے کہ اپنے آپ کو اس خود ساختہ شوہر کے حوالے کر دے۔“
مزید سنئے :-

”إمرأة دعت على زوجها أنه طلقها ثلاثا وأقامت على ذلك شهود زور و قضى القاضي بالفرقة بينهما و تزوجت بزواج آخر بعد انقضاء العدة فعلى قول أبي حنيفة رحمه الله و قول أبي يوسف رحمه الله تعالى لا يحل للزوج الأول وطؤها ظاهرا و باطنا و يحل للزوج الثاني وطؤها ظاهرا و باطنا علم بحقيقة الحال او لم يعلم“ (عالم گیری ۳/ ۳۵۱)

”کوئی عورت اپنے شوہر کے خلاف عدالت میں مقدمہ دائر کرتی ہے کہ وہ اسے تین طلاقیں دے چکا ہے اور اس پر جھوٹے گواہ بھگتا دے اور قاضی ڈگری دے دے کر ان کے درمیان علیحدگی ہو چکی، عدت گزرنے کے بعد اس عورت نے کسی اور سے نکاح کر لیا تو حضرت امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے قول کے مطابق پہلے شوہر پر اس کے قریب جانا حرام ہوگا، ظاہری طور پر ہی نہیں حقیقت میں بھی، اور دوسرے شوہر پر اس کے ساتھ مباشرت کرنا حلال ہوگا ظاہری اور حقیقی ہر اعتبار سے اسے حقیقت کا علم ہو (کہ عورت نے جھوٹے گواہ کھڑے کر کے ڈگری حاصل کی ہے) تب بھی۔“

اسی طرح سادات حنفیہ فرماتے ہیں :-

”ولا يستوفى القصاص ألا بالسيف“ (هدایۃ وغیرہ)

”قصاص صرف تلوار کے ساتھ لیا جائے گا۔“

اس بارہ میں قرآن حکیم کا واضح ارشاد ہے :-

﴿فَمَنْ اعْتَدَىٰ عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدَىٰ عَلَيْكُمْ﴾
(البقرہ)

”پس اگر کوئی تم پر زیادتی کرے تو جیسی زیادتی تم پر کرے ویسی ہی تم اس پر کرو۔“

اور متفق علیہ حدیث میں ہے :-

”أَنَّ يَهُودِيًّا رَضَّ رَأْسَ جَارِيَةٍ بَيْنَ حَجْرَيْنِ فَقِيلَ لَهَا مَنْ فَعَلَ بِكَ هَذَا أَفْلَانٌ؟ أَفْلَانٌ؟ حَتَّى سُمِّيَ الْيَهُودِيُّ فَأَوْمَاتُ بِرَأْسِهَا فَجِيءَ بِالْيَهُودِيِّ فَاعْتَرَفَ فَأَمَرَ بِهِ النَّبِيُّ ﷺ فَرَضَ رَأْسُهُ بِالْحِجَارَةِ“ (البخاری)

”کسی یہودی نے ایک لڑکی کا سر دو پتھروں میں دے کر کچل ڈالا اس سے پوچھا گیا تم پر یہ ظلم کس نے کیا؟ فلان نے کیا؟ فلان نے کیا؟ یہاں تک کہ اس یہودی کا نام آیا تو اس لڑکی نے سر کے اشارے سے تصدیق کی، اس یہودی کو لایا گیا اس نے اقرار کر لیا تو رسول اللہ ﷺ نے اس کے بارہ میں فیصلہ صادر فرمایا چنانچہ اس کا سر پتھروں سے کچل دیا گیا۔“

حدیث رسول ﷺ کے ساتھ حنفیہ کا حسن سلوک

حدیث رسول ﷺ کے ساتھ سادات حنفیہ کے حسن سلوک کا قصہ تو بہت طویل ہے، مشتے از خروارے کے طور پر چند مسائل دیکھ لیجئے۔

☆ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :-

”مَنْ مَاتَ وَ عَلَيْهِ صِيَامٌ صَامَ عَنْهُ وَلِيهِ“ (متفق علیہ البخاری)

(۲۶۳/۱ مسلم ۳۶۲/۱)

”جو شخص اس حال میں مر جائے کہ اس کے ذمے روزے باقی ہوں تو اس کی طرف سے اس کا ولی روزے رکھے۔“

سادات حنفیہ پوری قوت سے فرماتے ہیں :-

”ولا يصوم عنه اولی“ (ہدایۃ کتاب الصوم ۲۰۳)

”میت کی طرف سے اس کا ولی روزے نہیں رکھ سکتا۔“

صحیح ترین سند کے ساتھ عمرو بن امیہ الضمری سے روایت ہے انہوں نے بیان

کیا :-

”رأیت النبی ﷺ یمسح علی عمامتہ وخفیہ“ (صحیح البخاری ۳۳/۱)

”میں نے رسول اللہ ﷺ کو موزوں اور پگڑی پر مسح کرتے دیکھا“

اس سنت ثابتہ کو حضرات حنفیہ ”احسن ترین محامل پر محمول“ کرتے ہوئے

فرماتے ہیں :-

”ولا يجوز المسح علی العمامة“ (ہدایۃ ۴۴/۱)

”پگڑی پر مسح کرنا جائز نہیں ہے۔“

حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ :-

”أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ سِئِلَ عَنِ الْخَمْرِ تَتَّخَذُ خَلًا فَقَالَ لَا“ (صحیح مسلم

کتاب الأشربة حدیث - ۳۶۶۹)

”نبی ﷺ سے شراب کے متعلق دریافت کیا گیا کہ اس سے سر کہ بنا لیا

جائے؟ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں“

اس حدیث پر عمل کرنے کا حنفی انداز یہ ہے کہ فرماتے ہیں :-

”ولا یکره تخلیلها“ (الہدایۃ کتاب الأشربة ۱۸۳/۲)

”اس کا سر کہ بنانے میں کوئی حرج نہیں“

حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ :-

”أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ نَهَى عَنْ ثَمَنِ الْكَلْبِ“ (سنن أبی داؤد سنن النسائی)

”بلاشبہ رسول اللہ ﷺ نے کتے کی قیمت سے منع کیا“

حضرات احناف اس حدیث کو ”محامل حسنہ“ پر محمول فرماتے ہوئے فتویٰ صادر

کرتے ہیں :-

”يجوز بيع الكلب و الفهد و السباع“ (هداية ۲/ ۵۰ کتاب البیوع)

”کتے، شیر اور درندوں کی خرید و فروخت جائز ہے“

بلکہ ذبح کر کے اس کا گوشت بیچنے کے لئے بھی جواز کا فتویٰ مہیا فرماتے ہیں۔

(عالمگیری ۳ / ۱۱۵)

قرآن و حدیث کے ساتھ اس طرح کا یکساں ”حسن سلوک“ کرنے کے باوجود اگر مولانا مصر ہوں کہ ”حنفیہ کا اصول یہ ہے کہ اول قرآن کو دیکھتے ہیں پھر احادیث کو اور جس حدیث کو نص قرآنی کے موافق پاتے ہیں اس کو ترجیح دیتے ہیں اور بقیہ احادیث کو محال حسنہ پر محمول کرتے ہیں“ (انتہی بلفظہ)

تو یہی عرض کیا جاسکتا ہے کہ ۷

بگو حدیث وفاق تو با و راست بگو

شوم فدائے دروغے کہ راست مانند است

ان مسائل کا استقصاء جن میں سادات حنفیہ نے نصوص قرآن و سنت کے برعکس موقف اختیار کیا دفتروں کے دفتر چاہتا ہے، اب ہم ان مسائل کی طرف آتے ہیں جنہیں مولانا نے اپنی مرضی کے میدان کے طور پر منتخب فرمایا، ان پر سرسری نظر بھی واضح کرنے کے لئے کافی ہے کہ ان سے مولانا کے موقف کو کوئی تقویت نہیں ملتی۔

مولانا موصوف اپنے سامنے بیٹھے ہوئے ”شاگرد“ سے جو اہل حدیث ہو گیا تھا

فرماتے ہیں :-

”اب میں تمہیں بتلاتا ہوں کہ جن مسائل مشہورہ میں ہمارا اور اہل حدیث کا

اختلاف ہے ان کے لئے ہم نے اول قرآن کو دیکھا اور جن احادیث کو نصوص قرآنیہ کے موافق پایا ان کو ترجیح دی“

اس کے بعد انہوں نے تین مسائل کا ذکر کیا :-

۱- قرآنہ خلف الإمام

۲- رفع الیدین عند الركوع والرفع منه

۳- آمین بالجہر

اہل حدیث اور احناف کے درمیان اصل اختلاف

مولانا رحمہ اللہ نے یہاں بھی انصاف نہیں فرمایا، ان کا قلم تمسید ہی میں عدل و اعتدال سے ہٹ گیا، مشہور ترین مسئلہ جس میں اہل حدیث سے حنفیہ کا اختلاف ہے اس کا ذکر نہیں کیا اور وہ ہے ایمان میں کمی بیشی کا، اس اہم ترین بنیادی مسئلہ سے انماض کی وجہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ اس میں مقابلہ کے لئے کوئی آیت نہیں مل سکتی تھی جسے وہ حنفیہ کے موقف کی بنیاد قرار دے سکتے کیونکہ قرآن نے اہل ایمان کا تعارف ہی ان الفاظ سے کر لیا ہے کہ :-

﴿إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ وَإِذَا تُلِيَتْ

عَلَيْهِمْ آيَاتُهُ زَادَتْهُمْ إِيمَانًا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ﴾ (الأنفال- ۲)

”مومن تو وہ ہیں کہ جب اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل ڈر جاتے ہیں

انہیں اس کی آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو ان کا ایمان اور بڑھ جاتا ہے۔“

نیز فرمایا :-

﴿فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا فَزَادَتْهُمْ إِيمَانًا وَهُمْ يَسْتَبْشِرُونَ﴾ (التوبة- ۱۲۴)

”سو جو ایمان والے ہیں تو ان کے ایمان میں ان آیات نے اضافہ لیا اور وہ

خوش ہوتے ہیں“

احادیث، آثار صحابہ و تابعین و اقوال سلف و خلف صحیح بخاری کی کتاب الایمان اور

عقائد کی کتابوں میں دیکھے جاسکتے ہیں۔

اہل حدیث کے ساتھ حضرات حنفیہ کا ایک بڑا اختلاف سنت مطہرہ کے تشریعی

مقام اور قرآن و سنت کے باہمی ارتباط پر ہے اہل حدیث ان دونوں میں تعارض کے

امکان کو رد کرتے ہیں اور سنت کو قرآن کا بیان مانتے ہیں جب کہ احناف سنت کو قرآن

کی تخصیص و تقیید کے بھی قابل نہیں سمجھتے، مولانا کے منتخب فرمودہ مسائل اس اصول کی فروعات میں سے ہیں۔

اہل حدیث اور احناف کے مابین ایک اور بنیادی اختلاف تقلید کی شرعی حیثیت کے متعلق ہے، حضرات حنفیہ اسے واجب قرار دیتے ہیں جب کہ اہل حدیث ان سے یہ سوال کرتے ہیں کہ :

”تقلید کو انہوں نے کس دلیل سے واجب قرار دیا ہے؟ تقلید سے یا ازراہ اجتہاد؟“

”انہوں نے آئمہ میں سے تقلید کے لئے انتخاب کی گئی شخصیت کو باقی آئمہ پر کیونکر ترجیح دی؟“

”کیا آئمہ نے خود اپنی تقلید کا حکم دیا؟ تمام آئمہ نے بصراحت اپنی تقلید سے منع کیا یا نہیں؟“

”آئمہ سے صحیح اسانید کے ساتھ تقلید کی ممانعت پر مشتمل تصریحات کی موجودگی میں حضرات مقلدین کا ان کی تقلید کا دعویٰ کیا حیثیت رکھتا ہے؟“

ان مشہور ترین بنیادی اختلافات کو چھوڑ کر جن مسائل کو منتخب فرمایا وہاں بھی حضرت غفر اللہ لنا ولہ نے یہ ستم ڈھایا کہ پورا زور یہ باور کرانے میں صرف کر دیا کہ ان مسائل میں حنفیہ کا اختلاف ”اہل حدیث“ سے ہے اگر ان کے یا لمقابل سچ مچ کوئی اہل حدیث طالب علم ہوتا تو کم از کم اس تطفیف میزان اور ”سوء کیلہ“ کی طرف ان کی توجہ ضرور مبذول کرتا اور عرض کرتا کہ ان مسائل میں سادات حنفیہ کے مد مقابل صرف اہل حدیث نہیں بلکہ جمہور امت ہیں تو کیا حضرت جمہور آئمہ یعنی امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل، امام اسحاق بن راہویہ، امام بخاری، امام مسلم، امام محمد ابن حزم، رحمہم اللہ تعالیٰ و غیرہم و کثیر ماہم کو بھی قرآن کو نظر انداز کرنے کا الزام دیں گے؟

قرآن خلف الامام کو موضوع سخن بنانا ستم بالائے ستم کے سوا کچھ نہیں، اسے نرم

سے نرم الفاظ میں خلطِ بحث ہی کہا جاسکتا ہے، کیونکہ حنفیہ کے نزدیک تو نماز میں سورۃ فاتحہ پڑھنا امام کے لئے بھی فرض نہیں ہے اور نبی اکرم ﷺ کے متواتر، صحیح اور صریح فرمان (لا صلاة لمن یقرأ بفاتحة الكتاب) کے باوجود ان کا اصرار کہ قرأت فاتحہ نماز کے فرائض میں نہیں بلکہ ہدایہ سمیت تمام متون میں اسے صرف واجب گردانا گیا جب کہ واجب کی تعریف ان کے ہاں یہ ہے :

”ما تجوز الصلاة بدونه“ (شرح العناية على الهداية ۱/ ۲۷۶)
 ”جس کے بغیر نماز جائز ہے“

تقلید کی وکالت میں ”مجتہدانہ کاوشیں“

مسئلہ فاتحہ خلف الامام کے متعلق ارشاد ہوتا ہے ”ہم نے اس کے لئے قرآن کو پہلے دیکھا.... الخ۔“

اس مختصر سی عبارت کا ایک ایک لفظ دامن دل کو اپنی طرف کھینچ رہا ہے اگر انہوں نے سچ مچ قرآن کی طرف رجوع کیا پھر دلائل کا موازنہ کیا اور سوچ سمجھ کر ایک موقف اختیار کیا تو غیر شعوری طور پر مجتہدانہ کاوش میں مصروف تھے واللہ الحجة البالغة انہیں یاد بھی نہیں رہا کہ مقدمہ تقلید کا لڑنے جا رہے ہیں ان کے اس انداز استدلال نے تو ان کے مقدمہ کو کمزور سے کمزور تر کر کے رکھ دیا ہے فرماتے ہیں :-

سورۃ اعراف میں حق تعالیٰ کا ارشاد ہے :-

﴿وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ﴾
 (الأعراف - ۲۰۴)

”جب قرآن پڑھا جائے تو اس کو کان لگا کر سنو اور خاموش رہو امید ہے تم پر رحم کیا جائے گا“

اس سے صاف معلوم ہوا کہ امام کے ساتھ قرأت نہ کرنا چاہئے بلکہ... (انتہی بلفظہ)

تعب ہے کہ مولانا اس مضمون کی تحریر سے چند سال بیشتر ایک مقالہ میں یوں رقم طراز ہوئے تھے :-

”نماز میں باتیں کرنا ہجرت کے بعد بھی جائز تھا جب سورہ بقرہ کی آیت ﴿وَقُولُوا لِلّٰهِ قَانِتِينَ﴾ نازل ہوئی تو باتیں کرنے سے منع کیا گیا اور آیت ﴿وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا﴾ بالاتفاق مکی ہے اس کو نماز میں باتیں کرنے سے ممانعت پر محمول کرنا صحیح نہیں (فاران دسمبر ۱۹۶۰ ص ۳۵ منقول از توضیح الکلام ۱/۱۱۴)

حضرت کے سامنے سچ مچ کوئی اہل حدیث طالب علم ہوتا تو یہ دریافت کئے بغیر نہ رہتا کہ مولانا! یہ کیا طرفہ ہے کہ وہی آیت جو عام بات چیت اور گفتگو سے مانع نہ ہوئی سورہ فاتحہ پڑھنے کو حرام ٹھہراتی ہے؟

اگر مذکورہ آیت کا مفہوم وہی ہے جس کا حضرت نے دعویٰ فرمایا ہے تو کم از کم اس کی تخصیص اس صورت سے تو کر دیجئے جو اس مفہوم میں شامل ہے، آپ نے خود فرمایا ہے کہ :

”اس سے معلوم ہوا کہ امام کے ساتھ ساتھ قرأت نہ کرنا چاہئے“
لہذا اگر کوئی امام کے ساتھ نہیں پڑھتا بلکہ سکنت میں پڑھ لیتا ہے اس لئے کہ رسول ﷺ نے فرمایا ہے :-

”لا صلاة لمن لم يقرأ بفاتحة الكتاب“ (متفق علیہ)
”جو سورۃ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں۔“

نیز بعض آئمہ احناف نے بھی احتیاطاً پڑھ لینے کا فتویٰ صادر فرمایا ہے (عمدۃ القاری ۶/۱۴) تو اس صورت میں آپ اس پر آیت مذکورہ کی خلاف ورزی کا الزام کیونکر لگا سکتے ہیں۔

مولانا نے امام احمد بن حنبل کا یہ قول تو نقل کیا کہ آیت بالاتفاق قرأت خلف الامام کے بارہ میں نازل ہوئی لیکن اس بات کا تذکرہ تک نہیں فرمایا کہ انہیں امام احمد سے

یہ بھی منقول ہے کہ :

”من إجماع الناس على أنها نزلت في الصلاة و في الجمعة“

(فتاویٰ الکبریٰ ابن تیمیہ)

”یعنی بعض لوگوں کا اتفاق ہے کہ یہ آیت نماز اور خطبہ جمعہ کے بارہ میں نازل ہوئی“

بلکہ یہ کہہ کئی کترانے کی کوشش کی ہے کہ ”جن علماء نے اس کو خطبہ جمعہ کے متعلق کہا ہے ان کا مطلب یہی ہے کہ خطبہ کو بھی اس کے ساتھ ملحق کیا گیا ہے کیونکہ یہ آیت مکی ہے اور مکہ میں نہ جمعہ تھا نہ خطبہ۔“ (انٹھی بلفظہ)

مولانا کا یہ اضطراب بے سبب نہیں انہیں معلوم ہے کہ خطبہ کے دوران آنے والے نمازی کو دو رکعت پڑھنے کا حکم صحیح احادیث سے ثابت ہے، لہذا جس طرح دوران خطبہ نماز پڑھی جائے گی مقتدی کو سورہ فاتحہ پڑھنے کی اجازت بھی ہو جائے گی لیکن مولانا اسے یہ اجازت دینے پر کسی طور پر آمادہ نہیں۔

اس حقیقت سے سادات حنفیہ کو بھی مجال انکار نہیں ہے کہ صحابہ کرام کی ایک معتد بہ جماعت امام کے پیچھے ہونے کی حالت میں بھی سورہ فاتحہ پڑھتی رہی، جیسا کہ مولانا گنگوہیؒ نے اس بارے میں تصریح کی ہے، لہذا اگر پہلے سے ایک بات ذہن میں بسا نہ لی جائے تو یہ سمجھنا قطعاً دشوار نہیں کہ اگر اس آیت سے مراد خلف الامام فاتحہ پڑھنے سے منع کرنا مقصود و مراد ہوتا تو ناممکن تھا مکہ میں نازل ہونے والی اس آیت کو صحابہ کرام مدنی دور میں بھی سمجھ نہ پائے، جب کہ تھانہ بھون کے عجمی نژاد احناف نے ”ذرا سا غور“ کئے بغیر ہی سمجھ لیا۔

نماز باجماعت میں بحالت قرأت امام شامل ہونے والا شخص کس طرح داخل ہو؟ اللہ اکبر کہنے کی اجازت آپ جس دلیل سے دیں گے (بلکہ بعض حنفیہ تو ثبات تک پڑھنے کی اجازت دیتے ہیں، منیہ المصلیٰ ۹۶) اسی میں تھوڑی سی مزید وسعت پیدا کر کے سورہ فاتحہ پڑھنے کی گنجائش بھی نکال دیں تو ایک قدیم و طویل جنگ کا خاتمہ ہو سکتا ہے،

خاص طور پر جب کہ مولانا گنگوہیؒ فرما بھی چکے ہیں کہ فاتحہ کی آیات قلیل ہیں سکتے
ثناء وغیرہ میں بلا منازعت قرآن کے پڑھ سکتے ہیں، لہذا رخصت کی گنجائش ہے (فتاویٰ
رشیدیہ ۵۱۳)

فاتحہ خلف الامام کے متعلق حنفیہ کے موقف کا و اذا قرئ القرآن ... الآية سے دور کا تعلق بھی نہیں

غور تو دور کی بات ہے، مولانا نے انصاف بھی نہیں فرمایا ورنہ یہ سمجھنا دشوار نہ تھا
کہ اس آیت کا قرأت فاتحہ خلف الامام سے کچھ تعلق نہیں اور نہ یہ اس مسئلہ میں حنفیہ کا
مأخذ و مستدل ہے ورنہ نور الانوار وغیرہ میں اسے تعارض و تساقط کے طور پر بیان نہ کیا
جاتا اور سادات حنفیہ تو لاحق کو بھی قرأت سے منع کرتے ہیں چنانچہ ارشاد ہوتا ہے -

”واللاحق من فاتته الركعات كلها أو بعضها لكن بعد اقتدائه بعذر

كغفلة أو زحمة وسبق حدث... وحكمه كمؤتم فلا ياتی

(بقراءة...) (در المختار ۱/۵۹۴)

”لاحق اس نمازی کو کہتے ہیں جو امام کی اقتداء میں شامل ہوا لیکن غفلت، بھیڑ

یا وضو ٹوٹ جانے کے سبب اس سے نماز کی تمام یا کچھ رکعتیں فوت ہو گئیں،

اس کا حکم بھی مقتدی کا ہو گا لہذا وہ قرأت نہیں کرے گا“

اب یہاں امام ہے نہ اس کی قرأت جسے سنتے ہوئے وہ خاموش رہنے کا مکلف تھا

لیکن آپ حضرات اس حالت میں بھی اسے سورہ فاتحہ پڑھنے کی اجازت دینے پر آمادہ

نہیں ہوتے، اس نے سورہ فاتحہ سنی اور نہ آپ کی ممانعت کے سبب خود پڑھی آیت کے

حکم فاستمعوا پر اپنی غفلت یا عذر کی بنا پر عمل نہ کر سکا اور حدیث پر آپ نے نہ کرنے

دیا اس کے باوصف دعویٰ فرماتے ہوئے مسرور ہیں کہ ”ہم پہلے قرآن کو دیکھتے ہیں اور

پھر حدیث کو محال حسنہ پر محمول کرتے ہیں۔“

ایں چہ بو العجبی ست

مسئلہ اس قدر سادہ ہوتا اور نص قرآنی احناف کے موقف کی مؤید ہوتی تو ان کا

مسلک مقبول سے مقبول تر ہوتا جاتا اور کیفیت یوں نہ ہوتی جو امیر المؤمنین فی الحدیث امام عبد اللہ بن المبارک نے بیان فرمائی ہے :-

”أنا أقرأ خلف الإمام والناس يقرؤون إلا قوما من الكوفيين“ (جامع الترمذی ۱۲۲/۲)

”میں امام کے پیچھے ہوتے ہوئے بھی قرأت کرتا ہوں اور لوگ بھی ایسا ہی کرتے ہیں صرف اہل کوفہ کا ایک گروہ نہیں کرتا“

بہت سے اکابر حنفیہ اپنے مشہور موقف اور اس کے دلائل سے مطمئن نہیں ہیں ان کے دل کی خلش نوک قلم پر بھی آگئی چنانچہ ہدایہ (۳۴۱/۱) میں ہے -

”و يستحسن على سبيل الاحتياط فيما يروى عن محمد و يكره عندهما لما فيه من الوعيد“

”ازراہ احتیاط مستحسن ہے کہ پڑھ لے جیسا کہ محمدؐ سے مروی ہے اور ان دونوں (ابو حنیفہؒ اور ابو یوسفؒ) کے نزدیک مکروہ ہے اس وعید کی بنا پر جو اس باب میں وارد ہے -“

بر صغیر میں حضرت نظام الدین اولیاءؒ شاہ عبدالرحیمؒ قاضی ثناء اللہ پانی پتی اور مولانا عبدالحی لکھنوی جیسے اساطین علماء اس مسئلہ میں اہل حدیث کے موقف کی متانت اور قوت استدلال سے رائج ہونے کی گواہی دے چکے ہیں -

رفع الیدین :-

اس مسئلہ میں مولانا کا موقف پہلے سے بھی زیادہ طریف ہے، فرماتے ہیں :

”ہم نے اول قرآن کو دیکھا (حالانکہ اگر وہ راسخ العقیدہ مقلد ہیں تو انہیں صرف اپنے مقلد کا قول دیکھنا چاہئے تھا) تو حق تعالیٰ کا ارشاد ملا ﴿وَقُومُوا لِلَّهِ قَانِتِينَ﴾ اور ﴿الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ﴾ پہلی آیت میں ارشاد ہے کہ اللہ کے سامنے سکوت اور سکون کے ساتھ کھڑے ہو، دوسری آیت میں فرمایا گیا ہے کہ جو لوگ نماز میں خشوع کرنے والے ہیں وہ کامیاب

ہیں اور خشوع کے معنی بھی سکون ہی کے ہیں“ (انتھی بلفظہ)
ہدایہ، کنز، اور قدوری سے نظر ہٹا کر مولانا کو قرآن دیکھنے کا موقع میسر آ ہی گیا تھا
تو ان آیات کی روشنی میں احناف کے انداز خشوع اور فقہ حنفی کی ان فروع پر نظر ثانی
فرماتے جن کے مطابق۔

”قبلہ رو بقدر ایک صف کے چلے پھر رک جائے پھر ایک صف کے بقدر چلے
اس طرح خواہ کتنا ہی ”سفر“ کر لے بس اتنا خیال رکھے کہ مسجد سے باہر نہ
نکلے تو اس کی نماز درست ہے۔“ (در مختار ۱/۶۲۹)

”اگر جانور کا تھن منہ میں چوسنا شروع کر دے اگر دودھ نازل نہ ہو تو نماز
فاسد نہ ہوگی۔“ (ایضاً)

”پرندے کو پتھر مارنے سے، کتے بلی کو چکارنے، یا گدھے کو ہانکنے سے بھی
نماز کی صحت متاثر نہیں ہوتی۔“ (ایضاً ۱/۶۱۴)

مولانا کو نماز میں چہل قدمی، بلکہ شغل شکار اور جانور کی چکار تو ﴿وَقُومُوا لِلَّهِ
قَانِتِينَ﴾ اور ﴿الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ﴾ کے خلاف محسوس نہیں ہوتی،
تاہم رکوع جاتے اور اس سے سر اٹھاتے وقت رفع الیدین کی صحیح ثابت و متواتر سنت
جس پر خلفاء راشدین اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین عمل پیرا رہے خشوع اور
قنوت کے منافی دکھائی دیتی ہے صدق رسول اللہ ﷺ ”حبك شيئا يعمي ويصم“
(سنن ابی داؤد) تمہارا کسی چیز کی محبت میں گرفتار ہونا اندھا بہرہ کر دیتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم میں

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ (الأحزاب - ۲۱)

”بے شک تمہارے لئے اللہ کے رسول میں بہترین نمونہ ہے۔“

اور اس مضمون کی دسیوں آیات انہیں نظر ہی نہیں آئیں اور اسی ضعیف بصارت
کے ساتھ تحقیق مزید کے لئے ذخیرہ حدیث پر نگاہ ڈالنے چل نکلے تو انہیں رفع
الیدین کے اثبات کی متواتر احادیث دکھائی نہیں دیں بلکہ نگاہ انتخاب کی داد دیجئے کہ وہ

جا کر ٹھہری بھی تو اس حدیث پر جس کے متعلق ”شیخ الہند“ جیسے متصلب حنفی فرما چکے ہیں کہ :-

”اذناب الخلیل کی روایت سے جواب دینا بروئے انصاف درست نہیں ہے

کیونکہ وہ سلام کے بارے میں ہے“ (تقاریص ص ۶۵)

مولانا نے بڑا کرم کیا کہ انہوں نے اپنے مکمل اختیارات استعمال نہیں کئے وگرنہ وہ ”اسکنوا فی الصلاة“ کی اپنی تعبیر کے مطابق نماز میں رکوع و سجود کو بھی سکون کے منافی حرکات قرار دے کر موقوف فرما سکتے تھے۔

اگر مولانا کی خدمت میں سچ مچ کوئی اہل حدیث طالب علم حاضر ہوتا تو ”شیخ الہند“ کے مندرجہ بالا فرمان کی طرف حضرت کی توجہ مبذول کرنے کے علاوہ یہ بھی عرض کرتا کہ :

رکوع سے پہلے اور بعد میں رفع الیدین کرنا ایسی سنت ہے جو تواتر سے ثابت ہے، حضرت مالک بن الحویرث اور حضرت وائل ابن حجر رضی اللہ عنہ جیسے اصحاب جنہیں رسول اکرم ﷺ کو ان کی حیات دنیوی کے آخری دنوں میں حاضر خدمت ہونے کی سعادت حاصل ہوئی اس کی روایت کرنے والوں میں شامل ہیں، بلکہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے رکوع سے پہلے اور بعد میں رفع الیدین کے ساتھ نماز پڑھ کر دکھائی اور فرمایا :

”أُقْسِمُ بِاللَّهِ إِنْ كَانَتْ لَهِيَ صَلَاتُهُ حَتَّى فَارَقَ الدُّنْيَا“ (معجم ابن لاعرابی

۱/۶۳۲ - بحوالہ رفع الیدین کا ثبوت تالیف محمد زبیر علی زئی ص ۹۵)

”اللہ کی قسم رسول اللہ ﷺ دنیا سے رخصت ہونے تک اسی طرح نماز پڑھتے رہے۔“

یہاں تک کہ علامہ انور شاہ کاشمیریؒ جیسے راسخ الحنفیت کو بھی یہ اعلان کرتے ہی

بنی :

”إن الرفع متواتر اسنادا و عملا و لم ينسخ ولا حرف“ (نیل

الفرقدين ص ۲۲ حاشیة فیض الباری ۲/ ۲۵۵)
 ”رفع الیدین سند کے اعتبار سے متواتر ہے اور عملاً بھی اس میں سے ایک
 حرف بھی منسوخ نہیں ہوا۔“

کیا آپ کی گفتگو اور مذکورہ آیات سے استدلال کا مقتضی و فحوی یہ نہیں ہے کہ معاذ اللہ! رسول اللہ ﷺ فداہ ارواحنا اور آپ کے جلیل القدر صحابہ رضی اللہ عنہ کو قنوت اور خشوع کی ان باریکیوں اور لطافتوں کا ادراک نہیں تھا جن تک حضرت حنفیت کی برکت سے رسائی حاصل کر چکے ہیں تو ایسا خشوع اور قنوت آپ کو مبارک اہل حدیث کو فرمان رسول ﷺ صلوا کما رأیتمونی اصلی کی تعمیل میں رفع الیدین کے ساتھ نماز پڑھنے دیں، اگر آپ اس سنت متواترہ پر عمل کی ہمت نہیں پاتے تو نہ کیجئے لیکن گو سالہ حنفیت کی محبت میں اس حد تک تو نہ جائیے کہ سنت کے عاملین کی نمازوں کو قنوت و خشوع سے عاری قرار دینے پر تل جائیں۔

مادر حنفیت کا کوئی فرزند اس حقیقت سے انکار کرنے کی جرأت نہیں رکھتا کہ نبی اکرم ﷺ خود رفع الیدین کرتے رہے یہ ایسا عمل ہے جس پر آپ ﷺ برس ہا برس عمل پیرا رہے، حضرت نے کس طرح باور کر لیا کہ اس سے منع کرنے کے لئے افصح العرب والجمع ﷺ نے یہ پیرایہ بیان اختیار کیا ہوگا ”یہ کیا حرکت ہے تم اس طرح ہاتھ اٹھاتے ہو جیسے گھوڑے دم ہلاتے ہیں“ کیا حدیث و سنت کے ساتھ اسی رویہ کی بنا پر آپ فخریہ کہتے ہیں کہ ”محامل حسنہ“ پر محمول کرتے ہیں؟
 نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

(لَيْسَ لَنَا مَثَلُ السُّوءِ) صحيح البخاری ۳/ ۳۱۵

”ہمارے لئے بری مثال و تشبیہ زیبا نہیں۔“

مشروع امور میں تبدیلی کی اطلاع اور تعلیم دینے میں نبی اکرم ﷺ کا انداز و اسلوب مجہود معلوم ہے، حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ حبشہ سے واپس آئے تو نبی ﷺ کو سلام کیا نبی ﷺ نماز پڑھ رہے تھے، آپ نے جواب نہیں دیا جب کہ اس سے

پہلے حالت نماز میں جواب دیا کرتے تھے نماز سے فارغ ہو گئے تو فرمایا:

”إِنَّ اللَّهَ عَزَّوَجَلَّ يُحَدِّثُ مِنْ أَمْرِهِ مَا شَاءَ وَإِنَّهُ قَدْ أَحْدَثَ أَنْ لَا تَكَلَّمُوا فِي الصَّلَاةِ“ (مسند امام احمد۔ ۳۹۳۱)

”اللہ تعالیٰ جو چاہے حکم فرماتا ہے اور اس نے اب یہ حکم فرمایا ہے کہ نماز میں باتیں نہ کیا کرو۔۔۔۔۔“

ابتداء میں زیارت قبور سے منع کیا گیا تھا جب عقیدہ توحید راسخ ہو گیا اور اس کے تقاضوں کا شعور ذہنوں میں پختہ ہو گیا تو اجازت دے دی گئی اس حکم میں تبدیلی کی اطلاع رسول اللہ ﷺ نے ان الفاظ میں دی:

”كنت نهيتكم عن زيارة القبور ألا فزوروها فإنها ترق القلوب و تدمع العين و تذكر الآخرة ولا تقولوا هجرا“ (مستدرک حاکم)

”میں تمہیں قبروں کی زیارت سے منع کرتا تھا وہاں جایا کرو، کہا اس سے رقت قلب پیدا ہوتی ہے، آنکھوں میں آنسو آتے ہیں اور آخرت یاد دلاتی ہیں اور وہاں نازیبا بات نہ کرو۔“

عید الاضحیٰ پر ایک مرتبہ تین دن سے زیادہ گوشت ذخیرہ کرنے سے منع فرمایا اس سے اگلے برس یوں وضاحت فرمائی:

”كُنْتُ نَهَيْتُكُمْ عَنْ لُحُومِ الْأَضَاحِيِّ فَوْقَ ثَلَاثِ لَيْتَسِعَ ذُو الطَّوْلِ عَلَى مَنْ لَا طَوْلَ لَهُ فَكُلُوا مَا بَدَأَ لَكُمْ وَ أَطْعِمُوا وَادَّخِرُوا“ (جامع الترمذی کتاب الأضاحی ۱۴۳۰)

”میں تمہیں قربانی کے گوشت تین دن سے زیادہ تک کھانے سے منع کرتا تھا کہ اصحاب کشائش ناداروں کو بھی دیں اب (جب کہ کشائش عام ہو چکی) جب تک چاہو کھاؤ کھلاؤ اور ذخیرہ کر لو۔“

لیکن رفع الیدین کے لئے یکایک گھوڑوں کی دموں سے تشبیہ وارد ہو، قرآن و سنت کے اشباہ و نظائر سے آپ کے موقف کی تائید نہیں ہوتی۔

اگر قنوت کا حکم اور خشوع کی ترغیب نماز میں رفع الیدین نہ کرنے کا تقاضا کرتے ہیں تو سادات حنفیہ نماز عیدین اور وتر میں ایسا کیوں کرتے ہیں جب کہ اس رفع الیدین کے دلائل قوت اور کثرت کے اعتبار سے رکوع سے پہلے اور بعد کے رفع الیدین کے دلائل کا عشر عشر نہیں، کیا لفظ صلاة کا اطلاق عیدین کی نماز پر نہیں ہوتا؟ یا اس میں خشوع مطلوب نہیں ہے؟ بینوا تو جروا۔

اس کی کیا توجیہ فرمائیے گا کہ ترک رفع الیدین پر مذکورہ بالا آیات کریمہ اور حدیث جابر بن سمرہ سے استدلال صرف متاخرین احناف کے ہاں ملتا ہے، آئمہ متقدمین بلکہ مذہب کے ہاں اس کا کچھ سراغ نہیں ملتا، چنانچہ امام ابو حنیفہؒ کے امام اوزاعیؒ کے ساتھ مبینہ مناظرہ میں بھی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے عمل کو رائج قرار دینے کی بنیاد صرف فقہ الرواۃ پر رکھی گئی ہے۔

امام طحاویؒ اس مسئلہ میں حنفیہ کی مظلومیت کی شکایت کرتے ہوئے خاصے جذباتی ہو گئے ہیں لیکن احناف کے موقف کی ترجیح کے لئے ان کی تنگ و دو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے اثر کے طرق جمع کرنے تک محدود رہی، علامہ مرغینانیؒ نے ہدایہ میں ترک رفع الیدین کے لئے آثار صحابہ سے ہی استدلال کیا، اب دو ہی صورتیں ہیں یا تو ان آیات و احادیث میں حنفیہ کے موقف کی تائید کے لئے دلیل نہیں ہے، یا یہ سمجھا جائے کہ متاخرین احناف قرآن و حدیث فہمی میں اور حضرات مقلدین قوت استنباط و استخراج مسائل میں آئمہ مجتہدین پر سبقت لے گئے ہیں۔

آمین بالجہر:

تقریباً یہی حال مسئلہ آمین بالجہر کا ہے حضرت نے اس پر بھی کافی زور آزمائی کی ہے لیکن مقدمہ اس قدر کمزور ہے کہ مولانا کی وکالت بھی بے سود ثابت ہوئی جہاں تک ان کے دلائل کا تعلق ہے تو کمال بن الہمام اور ابن امیر الحاج جیسے معصب احناف بھی ان سے مطمئن نہیں ہیں تو کوئی دوسرا ان سے کس حد تک متاثر ہو سکتا ہے، مولانا عبدالحی لکھنوی کا یہ اشارہ کافی حد تک چشم کشا ہے (لیکن صرف اہل انصاف کے لئے)

فرماتے ہیں :

”الإنصاف أن الجهر قوى من حيث الدليل وقد اشار إليه ابن أمير الحاج في الحلية حيث قال ”السر هو السنة و به قالت المالكية و في قول عندهم يجهر في الجهرية و عند الشافعي إن كانت جهرية جهر به بلا خلاف والمنفرد على المعروف والمأموم في احد قوليه و نص النووي على أنه على الأظهر وقد ورد في السنة ما يشيد لكل من المذهبين و رجح مشائخنا ما للمذهب بما لا يعرى عن شيء لمتأمله فلا جرم قال شيخنا ابن الهمام لو كان إلى شيء لوفقت بأن رواية الخفض يراد بها عدم القرع العنيف ورواية الجهر بمعنى قولها في زبر الصوت و ذيلها“ (التعليق المجدد ۱۰۳)

”انصاف کی بات تو یہ ہے کہ بلند آواز سے آمین کننادلیل کے اعتبار سے قوی ہے، ابن امیر الحاج نے بھی اس طرف اشارہ کیا ہے چنانچہ فرماتے ہیں :-
 ”آہستہ کننا (خفیہ کے ہاں) مسنون ہے مالکیہ بھی اسی کے قائل ہیں اور ایک قول ان کا یہ ہے کہ جہری نماز میں جہراً کہے، امام شافعی کے نزدیک جہری نماز میں تو امام جہراً ہی کہے گا، اور منفرد کے متعلق بھی مشہور قول یہی ہے، مقتدی کے بارے میں ان کے دو قول ہیں امام نووی نے تصریح کی ہے کہ مقتدی کے جہر کرنے کا قول قوی تر ہے، احادیث میں دونوں مذاہب کے شواہد موجود ہیں تاہم ہمارے مشائخ نے جن دلائل کو اپنے مذہب کے رائج ہونے کی بنیاد بنایا ہے تامل سے خالی نہیں ہیں، اس لئے ہمارے شیخ ابن الہمام کہتے ہیں کہ اگر فیصلہ میرے سپرد ہو تو میں دلائل کو اس طرح جمع کر دوں گا کہ خفض (آہستہ) سے مراد یہ ہے کہ بہت چلا کر اور کرخ آواز سے نہ کہے، اور جہر سے مراد یہ ہے کہ درمیانی آواز سے کہے۔“

مشکل تو یہی ہے کہ مولانا عبدالحی لکھنوی انصاف کی بات کرتے ہیں اور ادھر یہ عالم ہے کہ حضرت کو صحیح بخاری میں عطا کا یہ قول تو نظر آگیا کہ آمین دعا ہے چنانچہ اسے دیکھتے ہی انہیں آیت کریمہ ﴿ادْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً﴾ بھی یاد آگئی اور اس کے معابعد :-

”أَمَّنَ ابْنُ الزُّبَيْرِ وَمَنْ وَرَاءَهُ حَتَّى إِنَّ لِلْمَسْجِدِ لِلَّجَّةَ“ (صحیح

البخاری باب جہر الإمام بالتأمين)

”حضرت عبد اللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ آمین کہتے اور ان کے مقتدی بھی یہاں تک کہ مسجد میں گونج پیدا ہو جاتی۔“
نظر نہیں آیا۔

حضرت کے اغماض بصر کی وجہ تو سمجھ میں آنے والی بات ہے کہ وہ اعلاء السنن ۶۸۶/۱ میں انہی عبد اللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ کا ایک فتویٰ طحاوی کے حوالہ سے لکھ چکے ہیں :

”قد فعل عبد الله بن الزبير ما ذكرنا في زمزم بحضرة أصحاب النبي ﷺ فلم ينكروا ذلك“

”عبد اللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کی موجودگی میں ایسا کیا اور کسی نے ان پر اعتراض نہیں کیا۔“

بلکہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے تو اسے صحابہ کا اجماع قرار دے دیا ہے (ملاحظہ ہو لمعات المتق ۳۶/۲ نیز درس ترمذی ترقی عثمانی ۱/۲۷۶)

اس لئے حضرت نے خوب کیا کہ اس اثر کی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھا ورنہ عطاء کی زبانی سننا پڑتا :

”أدرکت مائتین من أصحاب رسول الله ﷺ في هذا المسجد إذا

قال الإمام ولا الضالين سمعت لهم رجعة بآمين“ (سنن البيهقي)

”میں نے نبی اکرم ﷺ کے صحابہ میں سے دو سو اصحاب کو اس مسجد میں پایا“

جب امام ولا الضالین کہتا تو وہ اس طرح آمین کہتے کہ مسجد گونج اٹھتی۔“
اور مولانا میں ایسی باتیں سننے کی تاب کہاں؟

وكانوا لا يستطيعون سماعاً

لیکن علامہ انور شاہؒ نے تو اور بھی ستم ڈھایا ہے کہ ابن الزبیر رضی اللہ عنہ کے اثر کو دیکھا تو سہی لیکن اس کا محمل تک بدل ڈالا فرماتے ہیں:

قوله ”وأمن الابن الزبير“ و لعله حين كان يقنت في الفجر على عبد الملك وكان هو يقنت على ابن الزبير رضى الله عنه و في مثل هذه الأيام تجرى المبالغات أيضاً (فيض الباری ۲/۲۹۰)
”ابن الزبیر آمین کہتے شاید یہ ان دنوں کی بات ہے جب انہوں نے عبد الملک کے لئے نماز فجر میں قنوت نازلہ (بد دعا) پڑھنا شروع کر رکھی تھی اور وہ ان کے لئے ایسا کرتا تھا اور اس طرح کے ایام میں کچھ کچھ مبالغہ آرائی بھی ہو جاتی ہے۔“

حالانکہ امام بخاریؒ جس اثر کی طرف اشارہ کرنا چاہ رہے ہیں مصنف عبد الرزاق میں ان الفاظ کے ساتھ مذکور ہے:-

عبد الرزاق عن ابن جريج عن عطاء قال قلت له أكان ابن الزبير يؤمن على إثر أم القرآن؟ قال نعم ويؤمن من وراءه حتى أن للمسجد للجة ثم قال: إنما آمين دعاء (مصنف ۲/۹۷)

”ابن جریج کا بیان ہے کہ میں نے عطاء سے پوچھا کیا ابن الزبیر سورہ فاتحہ کے بعد آمین کہتے تھے تو انہوں نے کہا ہاں اور ان کی اقتداء میں نماز پڑھنے والے آمین کہتے حتیٰ کہ مسجد گونج اٹھتی پھر انہوں نے کہا کہ آمین دعا ہی تو ہے۔“

اس اثر کو دیکھتے ہوئے جو حضرت علامہ کا شمیریؒ پر مخفی نہ رہا ہو گا اس لئے کہ علامہ عینی نے شرح البخاری میں اسے مکمل طور پر ذکر کیا ہے، ان کی رقیق تاویل کو نتائج التقليد کے سوا کیا نام دیا جاسکتا ہے، بلکہ مصنف کے اسی صفحہ پر یہ اثر بھی مذکور ہے:-

”عبدالرزاق عن ابن جریج قال قلت لعطاء آمین؟ قال لا ادعها ابدا“ قال إثر أم القرآن فی المكتوبة والتطوع؟ قال ولقد كنت اسمع الآئمة یقولون علی إثر أم القرآن آمین هم أنفسهم ومن ورائهم حتی أن للمسجد للجة“

”ابن جریر بیان کرتے ہیں کہ میں نے عطاء سے پوچھا آمین (کہنا چاہئے)؟ انہوں نے کہا کہ میں تو کبھی نہیں چھوڑ سکتا“ انہوں نے پوچھا سورہ فاتحہ کے بعد فرض اور نفل میں؟ انہوں نے جواب دیا میں تو آئمہ کو سنتا تھا کہ سورہ فاتحہ کے بعد کہتے تھے وہ بھی اور ان کی اقتداء میں نماز ادا کرنے والے بھی یہاں تک کہ مسجد گونج اٹھتی تھی۔“

اس اثر کا ایک ایک لفظ بول رہا ہے کہ نہ اسے قنوت نازلہ پر محمول کیا جاسکتا ہے اور نہ اس کو صرف عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ تک محدود قرار دیا جاسکتا ہے، حضرت علامہ صاحب نے دونوں کام حنفیت کی خدمت سمجھ کر سرانجام دے دیئے اسی قسم کی کارروائیوں میں اپنی عبقریت صرف کر کے علامہ کا شمیری سمجھتے تھے کہ میں نے حنفیت کو اس طرح مستحکم کر دیا ہے کہ اب ان شاء اللہ سو سال تک اس کی بنیادیں غیر متزلزل رہیں گی۔ (دارالعلوم دیوبند نمبر صفحہ ۳۱۴)

اور ان کے فرزند ارجمند سید انظر شاہ کا شمیری فخریہ بیان فرماتے ہیں کہ : حنفی مکتبہ فکر کی تائید میں جو کام اللہ تعالیٰ نے آپ سے لیا اس کا اظہار کرتے ہوئے آپ کو اس حقیقت کے بیان میں بھی کوئی تامل نہیں تھا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اس عہد میں حنفیت کے استحکام کے لئے پیدا کیا ہے۔ (ایضاً)

لیکن حدیث اور اہل حدیث کے ساتھ یہی جفائیں ان کے ضمیر کی خلش بن گئیں، اور آخر عمر میں ان کو یاد کر کے پشیمان ہوتے رہے، جیسا کہ ان کی تلمیذ رشید مولانا مفتی محمد شفیع صاحب بیان فرماتے ہیں :

”قادیان کے جلسے کے موقع پر نماز فجر کے وقت حاضر ہوا تو دیکھا کہ

حضرت کاشمیری صاحب سر پکڑے مغموم بیٹھے ہیں میں نے پوچھا حضرت کیسا مزاج ہے؟ کہا ہاں ٹھیک ہی ہے میاں مزاج کیا پوچھتے ہو عمر ضائع کر دی، میں نے عرض کیا آپ کی ساری عمر علم کی خدمت میں دین کی اشاعت میں گزری ہے، ہزاروں آپ کے شاگرد علماء ہیں، مشاہیر ہیں جو آپ سے مستفید ہوئے، اور خدمت دین میں لگے ہوئے ہیں آپ کی عمر ضائع ہوئی تو پھر کس کی عمر کام میں لگی؟ فرمایا میں تمہیں صحیح کہتا ہوں عمر ضائع کر دی میں نے عرض کیا حضرت بات کیا ہے؟ فرمایا ہماری عمر کا ہماری تقریروں کا ہماری ساری کدو کاوش کا خلاصہ یہ تھا کہ دوسرے مسلکوں پر حنفیت کی ترجیح قائم کر دیں امام ابو حنیفہ کے مسائل کے دلائل تلاش کریں اور دوسرے آئمہ کے مسائل پر آپ کے مسلک کی ترجیح ثابت کر دیں، یہ رہا ہے محور ہماری کوششوں کا تقریروں کا اور علمی زندگی کا، اب غور کرتا ہوں تو دیکھتا ہوں کہ کس چیز میں عمر برباد کی“ (وحدت امت ۱۸)

تینوں مسائل میں مولانا کے استدلال میں کوئی نئی بات نہ تھی، تاہم معلوم ہوتا ہے کہ خانقاہ حنفیت کا دستور بھی میخانہ مغرب سے مختلف نہیں کہ جہاں سے لاتے ہیں سرور اول دیتے ہیں شراب آخر

چنانچہ ان کے سامنے بیٹھا ہوا شخص اس قدر مسحور ہوا کہ بجائے اس کے کہ مولانا کی توجہ اس جانب مبذول کراتا کہ آپ کی تقریر دلپذیر میں ذکر کئے گئے مسائل میں اختلاف کی بنیاد قرآن کی طرف رجوع یا عدم رجوع نہیں بلکہ صرف یہ ہے کہ آپ حضرات سنت مطہرہ کو اس کا اصل مقام دینے پر آمادہ نہیں ہیں کہنے لگا:-

”واقعی میں نے اب تک اس نکتہ پر غور نہیں کیا تھا مگر یہ شبہ اب بھی باقی ہے کہ حنفیت بعض مسائل میں صحیح احادیث پر عمل نہیں کرتے۔“

لیکن حضرت نے اس اشکال کو دور کرنے کی بجائے اسے مزید الجھاد یا فرمایا پہلے تم صحیح حدیث کی تعریف تو بیان کرو اور ساتھ ہی یہ قید بھی لگا دی کہ صحیح حدیث کی

تقریف میں کسی کی تقلید نہ کی جائے..... الخ۔

مولانا کا یہ انداز حق اور حقیقت کے متلاشی ایک طالب علم کو راہ حق دکھانے والے مشفق ناصح کے بہ نسبت ایک شاطر وکیل سے زیادہ مشابہت رکھتا نظر آتا ہے جو کمزور اور غلط موقف کے باوجود محض لفظوں کے ہیر پھیر سے مقدمہ جیتنے کی کوشش کر رہا ہو، اور جس کی کامیابی کا سارا دار و مدار صرف اس بات پر ہے کہ ان کا مد مقابل ان کے موقف کی کمزوریوں سے کماحقہ واقفیت نہیں رکھتا، ان کی خوشی چھپائے نہیں چھپتی کہ ایک شخص جو اہل حدیث ہو گیا تھا تحقیق اور اتباع دلیل کے گناہ سے توبہ کر کے تقلید کے دام تزویر کا نخچیر ہو کر ان کے دست حق پرست پر پھر سے حلقہ بگوش حقیقت ہونے کا اعلان کر رہا ہے۔

و صدق اللہ العظیم :

﴿وَإِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَحْدَهُ اشْمَأَزَّتْ قُلُوبُ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ

وَإِذَا ذُكِرَ الَّذِينَ مِنْ دُونِهِ إِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُونَ﴾

کاش وہاں سچ کچ کوئی اہل حدیث طالب علم ہوتا، اور اس دام تزویر میں پھنسنے کی بجائے مولانا کو بھی ان مغالطوں سے نکال لاتا اور عرض کرتا کہ حضرت : اجماعی مسائل میں اجماع پر اعتماد تقلید کے دائرے میں نہیں آتا (التحریر الکمال ان الہمام ۲۴۱/۲ و فواتح الرحموت ۲/۴۰۰)

صحیح حدیث کی تقریف یہ ہے :

”الحديث المسند الذي ينقل اسناد العدل الضابط عن العدل

الضابط إلى منتهاه ولا يكون شاذًا ولا معللاً...”

فهذا هو الحديث الذي يحكم له بالصحة بلا خلاف بين أهل

الحديث (مقدمة ابن الصلاح ص ۸۲)

”وہ باسند حدیث جس کی سند اس طرح متصل ہو کہ ہر راوی عادل ہو اور

جس سے وہ روایت کرتا ہے وہ بھی عدل و ضابط ہو اسی طرح سند کے آخر

تک اور وہ حدیث علت سے محفوظ اور شذوذ سے مبرا ہونا اوصاف کی حامل حدیث پر ہی صحت کا حکم لگایا جاتا ہے اور اس کے صحیح ہونے میں اہلحدیث کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے۔“

گویا اس پر محدثین کا اجماع ہے اور اجماع کا تتبع تقلید نہیں کہلاتا بلکہ اسے تو یہ بھی پوچھنا چاہئے تھا کہ اگر تعریفات و مصطلحات میں اہل فن پر اعتماد کرنا بھی تقلید ہی ہے تو آپ نے بایں شان و بایں شوکت ”قواعد فی علوم الحدیث“ میں ایک ”شافعی مقلد“ (حافظ ابن حجر) کی تقلید کیوں کی جب کہ ایسا کرنا شریعت تقلید میں شریعت اسلامیہ کے مؤکد حرام سے بھی زیادہ حرام ہے۔

مولانا نے اپنے شاگرد کو ورطہ حیرت سے نکالنے کی بجائے اس طرح پیناٹا کر کیا کہ وہ ”معمول“ کی طرح انہی کی زبان بولنے لگا :

”میں سمجھ گیا واقعی بغیر تقلید کے کسی حدیث کو صحیح کہنا مشکل ہے پھر بخاری‘ مسلم‘ ترمذی وغیرہ کی تقلید تو جائز ہو اور امام مالک اور شافعی کی تقلید ناجائز ہو یہ کیونکر ہو سکتا ہے“

مولانا کے ان افکار میں جو انہوں نے اپنے شاگرد کے الفاظ میں بیان فرمائے کافی وزن ہوتا اگر امام ابو حنیفہ نے اپنے تمام دلائل بیان فرمائے ہوتے اور اپنی متدل احادیث پر صحت کا حکم لگایا ہوتا، لیکن یہاں صورت حال یہ ہے کہ اکثر اوقات معاملہ صحیح حدیث کے مقابلہ میں صرف رائے پر عمل کرنے کا ہوتا ہے۔

مثلاً متفق حدیث میں ہے :

﴿عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِذَا أَدْرَكَ أَحَدُكُمْ سَجْدَةً مِنْ صَلَاةِ الْعَصْرِ قَبْلَ أَنْ تَغْرُبَ الشَّمْسُ فَلْيَتِمَّ صَلَاتَهُ وَ إِذَا أَدْرَكَ سَجْدَةً مِنْ صَلَاةِ الصُّبْحِ قَبْلَ أَنْ تَطْلُعَ الشَّمْسُ فَلْيَتِمَّ صَلَاتَهُ﴾ (صحیح

البخاری باب من أدرك ركعة من العصر قبل المغرب)

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :

جب تم میں سے کوئی شخص نماز عصر کا ایک سجدہ آفتاب کے غروب ہونے سے پہلے پالے تو اسے چاہئے کہ اپنی نماز پوری کر لے اور جب نماز کا ایک سجدہ طلوع آفتاب سے پہلے پالے تو اسے چاہئے کہ اپنی نماز پوری کر لے۔“

امام نووی کہتے ہیں کہ یہ حدیث واضح دلیل ہے کہ جس شخص نے صبح یا عصر کی نماز سے ایک رکعت پڑھ لی تھی کہ وقت نکل گیا تو اس کی نماز باطل نہ ہوگی بلکہ وہ نماز مکمل کرے گا اور اس کی نماز درست ہوگی اور اس بات پر عصر کی نماز کی حد تک تو اجماع ہے اور صبح کی نماز کے متعلق امام مالک، شافعی اور امام احمد رحمہم اللہ تعالیٰ اور دیگر تمام علماء بھی کہتے ہیں سوائے امام ابو حنیفہؒ کے کہ ان کا قول یہ ہے اس صورت میں نماز فجر کے دوران سورج طلوع ہو جائے تو وہ باطل ٹھہرے گی کیونکہ ایسا وقت داخل ہو گیا جس میں نماز پڑھنا ممنوع ہے، برخلاف سورج غروب ہونے کے (فیض الباری ۱۱۹/۲)

علامہ انور کا شمیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں :-

”مختصر یہ ہے کہ حدیث مذکور کی رو سے نماز فجر اور نماز عصر میں کوئی فرق نہیں ہے اور اس کا ظاہر جمہور کے مذہب کی تائید کر رہا ہے اور حنفیہ نے یہ کہہ کر کہ نماز عصر کا وقت ناقص حصہ پر مشتمل ہوتا ہے جب کہ فجر کا وقت ایسا نہیں ہے نماز فجر اور عصر میں فرق کیا ہے اس طرح انہوں نے حدیث کے ایک حصے پر عمل کیا ہے اور دوسرا حصہ قیاس کو بروئے کار لاتے ہوئے ترک کر دیا ہے۔“ (فیض الباری ۱۲۰/۲)

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ظہر کا وقت زوال آفتاب سے شروع ہوتا ہے اور ختم اس وقت ہوتا ہے جب ہر چیز کا سایہ اس سے دگنا ہو جائے (فی زوال نکال کر) (قدوری ۴۳)

امام صاحب کے اس قول کی تائید میں نبوی جیسے راسخ الحنفیت تلاش بسیار کے باوصف کوئی حدیث نہیں پاتے اور تھک ہار کر اعلان کرتے ہیں :

”و إني لم أجد حديثاً صريحاً صحيحاً أو ضعيفاً يدل على أن

وقت الظهر إلى أن يصير الظل مثليه“ (آثار السنن ۵۳)

”مجھے کوئی ایسی واضح حدیث صحیح تو کجا ضعیف بھی نہیں مل سکی جو اس بات پر

دالالت کرے کہ نماز ظہر کا وقت سائے کے دو مثل ہونے تک رہتا ہے۔“

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: لڑکے کی طرف سے عقیقہ کیا جائے نہ لڑکی کی

طرف سے (الجامع الصغیر ص ۴۹۵)

اور اس بارہ میں علماء احناف خاموش ہیں کہ امام صاحب نے اس خیال کی بنیاد کس

حدیث پر رکھی اس لئے مولانا نے اپنے شاگرد کو استاد کی طریقے سے تعریفات میں الجھا

کر خاموش کرانا ہی مناسب سمجھا، علاوہ ازیں مولانا سے بڑھ کر کون واقف ہو گا کہ

”امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ قیاس کے بالمقابل ضعیف حدیث پر عمل کرنا بہتر سمجھتے

تھے“ خود انہوں نے حافظ ابن قیم رحمہ اللہ تعالیٰ کے حوالے سے اس کی بہت سی مثالیں

بھی ذکر کیں ہیں، اس لئے یہ تاثر دینا کہ محدثین کی طرح انہوں نے بھی احادیث کی

تصحیح کی ہے اور جس طرح ”اہل حدیث“ بخاری، مسلم، ترمذی وغیرہ کی تقلید کرتے

ہوئے ان کی صحیح قرار دی ہوئی حدیث کو صحیح باور کر لیتے ہیں تو احناف نے امام ابو حنیفہ

کی تصحیح پر اعتماد کر لیا ہے“ بدترین مغالطہ ہے، مولانا کا ادب مانع نہ ہوتا تو اسے بلا تامل

دجل بھی کہا جاسکتا تھا، اس لئے کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے بہت سے مسائل میں

حدیث کی تصحیح تو کجا حدیث ذکر ہی نہیں کی، جب کہ محدثین جزاھم اللہ عنہم

خیر الجزا نے اسانید ذکر کر کے حجت قائم کی، اہل حدیث کثر اللہ سوادھم نے رجال اور

صحت سند و متن کی شروط معتبرہ و مجمع علیہا کو مد نظر رکھا اور ان کی روشنی میں احادیث کو

پرکھا، یہ نہیں کہ جسے ترمذی نے صحیح کہہ دیا اسے صحیح مان لیا ہو ورنہ جامع الترمذی اور

امام بخاری کی الجامع الصحیح میں تفاوت نہ ہوتا، البتہ صحیحین کی احادیث کو اصول نقد حدیث

کی کسوٹی پر پرکھنے کے بعد اہل علم کا اعتماد یقین میں بدلتا گیا، اور بقول علامہ انور شاہ

کاشمیری رحمہ اللہ علماء نے ایک ایک حدیث کے طرق کا تتبع کیا، اس کے رجال کی

تحقیق کی سند کو ہر طرح سے جانچا تو انہیں ان کی صحت کا یقین ہوا، اگرچہ بصیرت و بصارت سے محروم افراد اس یقین کی دولت سے تہی دامن ہی رہے (فیض الباری مقدمہ ۴۵)

نیز اس سے مولانا کی وہ طویل بحث جو انہوں نے احادیث کی صحت کو مشکوک بنانے کی کوشش کرتے ہوئے فرمائی لاطائل ہو کر رہ گئی، مولانا فرماتے ہیں :-
 ”بعض دفعہ سند کے راوی سب ثقہ ہوتے ہیں مگر حدیث معلول ہوتی ہے اور علت کی معرفت حاذقین کو ہوتی ہے ہر محدث کو نہیں ہوتی“

کاش مولانا اپنے افکار کی ہلاکت افرینی کا کچھ اندازہ فرما سکتے اور حدیث پر براہ راست عمل کرنے کی ہمت نہ تھی تو کم از کم امام ابو حنیفہؒ کے قول : إذا صح الحديث فهو مذهبی پر ہی عمل کر لینے کی توفیق پاتے اور محض اہل حدیث سے ضد کی بنا پر پورے ذخیرہ حدیث کی صحت کو مشکوک بنانے کی سعی نامشکور اور لاحاصل سے بچ جاتے، کیا اسی انداز کو ”اعلاء السنن“ کہا جاتا ہے؟ حدیث کا ہر طالب علم جانتا ہے کہ سنت کا ایک حصہ متواتر و مستفیض ہے جو علم یقینی کا فائدہ دیتا ہے اخبار احاد میں سے بھی بہت سا ذخیرہ امت کے تلقی بالقبول کی وجہ سے سند اعتماد پا چکا ہے شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :-

”أما الصحيحان فقد اتفق المحدثون على أن جميع ما فيهما من المتصل المرفوع صحيح بالقطع و إنهما متواتر ان إلى مصنفيهما و أن كل من يهون أمرهما فهو متبع غير سبيل المؤمنين“ (حجة الله البالغة ۱/۱۳۴)

”جہاں تک صحیحین کا تعلق ہے تو تمام محدثین کا اتفاق ہے کہ ان دونوں اسفار میں جتنی احادیث متصل مرفوع ہیں سب کے سب قطعی طور پر صحیح ہیں یہ کتابیں اپنے مؤلفین تک متواتر ہیں اور جو کوئی (ان میں مذکور احادیث کی صحت مشکوک و شبہات پیدا کر کے) ان کے مقام و مرتبہ کو کمتر ثابت

لرنے کی کوشش کرتا ہے وہ بدعتی ہے اور اہل اسلام کے مخالف راستہ پر چلنے والا ہے۔“

علامہ انور شاہ کا شمیری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :-

”اختلفوا في أن أحاديث الصحيحين هل تفيد القطع أم لا فالجمهور إلى أنها لا تفيد القطع و ذهب الحافظ رضي الله عنه إلى أنها تفيد القطع و إليه جنح شمس الأئمة السرخسي رضي الله عنه من الحنفية والحافظ ابن تيمية من الحنابلة والشيخ عمرو بن صلاح رضي الله عنه وهؤلاء و إن كانوا أقل عددا إلا إن رأيهم هو الرأي“ (فيض الباري مقدمة ٤٥)

”صحیحین کی احادیث، کیا علم قطعی کا فائدہ دیتی ہیں؟ اس بارے میں علماء میں اختلاف پایا جاتا ہے جمہور کا خیال ہے کہ قطعی علم حاصل نہیں ہوتا جب کہ حافظ ابن حجر کا خیال ہے کہ ان سے حاصل ہونے والا علم قطعی ہے، احناف میں سے شمس الآئمة سرخسی، حنابلہ میں سے ابن تیمیہ نیز حافظ ابن صلاح کا رجحان اسی طرف ہے کہ اس سے قطعی علم حاصل ہوتا ہے، یہ لوگ اگرچہ تعداد میں نسبتاً کم ہیں لیکن ان کی رائے ہی درست ہے“

ان علماء جمابذہ کی رائے کے ہوتے ہوئے صحیحین کی احادیث کو صحیح کہنے والے پر تقلید کی پھبتی قرین انصاف نہیں ہے، صحیحین کی جملہ احادیث اور باقی دو اوپن حدیث کی وہ مرویات جنہیں امت کا تلقی بالقبول حاصل ہو چکا سب کی سب مفید علم قطعی ہیں ان کی تصحیح اور اتباع کو تقلید نہیں کہا جاسکتا، لیکن مولانا کی نظر اس عظیم ذخیرے کی بجائے ان مرویات پر جا کر ٹھہرتی ہے جن میں علت خفی ہوتی ہے ”بعض دفعہ سند کے راوی ثقہ ہوتے ہیں مگر حدیث معلل ہوتی ہے“ وصدق اللہ :

﴿فَأَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاءَ تَأْوِيلِهِ﴾ (آل عمران- ٧)

”جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہے وہ تشابہات کا اتباع کرتے ہیں تاکہ فتنہ برپا کر دیں۔“

اسی ٹیڑھی نظر کے فیض سے حضرت نے حافظ ابن قیم رحمہ اللہ تعالیٰ کی بصیرت افروز دل کش تقریر کو لفظوں کا ہیر پھیر بنا کر رکھ دیا ہے۔

حافظ ابن القیم رحمہ اللہ نے اعلام الموقعین میں (جسے مولانا نے بتحرار اعلام الموقعین لکھا ہے اور اس کی اس غلط فہمی پر ملک شام کے حنفی عالم ابو غدہ اپنی حیرت بھی نہیں چھپا سکے) مسئلہ تقلید پر نہایت بسط سے کلام فرمایا ہے، مروجہ تقلید کے بطلان پر کتاب و سنت اور سلف امت کے عمل اور آئمہ کی تصریحات سے مقلدین پر اتمام حجت کر دیا ہے، مقلدین پر ایسے سوالات وارد کئے کہ امت تقلید اب تک خاموش ہے، ان کے تمام شبہات میں سے ہر ایک کے کئی کئی طرح سے مقنع اور شافی جواب دیئے ہیں، اسی ضمن میں مقلدین کا ایک شبہ ان الفاظ میں ذکر کیا ہے۔

تم (مخالفین تقلید) جن احادیث و آثار سے تقلید کے باطل ہونے پر استدلال کرتے ہو تم خود ان کے نقل کرنے والوں اور روایت کرنے والوں کے مقلد ہی تو ہو، عالم راوی کی تقلید پر مجبور ہے، تو قاضی گواہ کا مقلد ہونے پر مجبور ہے، اسی طرح عامی عالم کی تقلید کرتا ہے... الخ

حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ اس شبہ کا ازالہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں...

”اس کا جواب ہم پہلے بھی دے چکے ہیں کہ جسے تم تقلید کا نام دے رہے ہو یہ تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم کی پیروی ہے، اگر یہ تقلید ہے تو روئے زمین پر صحابہ رضی اللہ عنہ کے بعد کا ہر عالم مقلد ہی ہوگا، بلکہ صحابہ رضی اللہ عنہ جنہوں نے اپنے جیسے دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم سے علم و روایت اخذ کی وہ بھی مقلد ہی ٹھہریں گے اس قسم کا استدلال تو صرف شور و اشوری اور سینہ زوری کرنے والے کرتے ہیں یا تلمیس کا رجو باطل پر حق کا ملمع کر کے الجھانا چاہتے ہیں، یہ اہل تقلید کی جمالت کا شاخسانہ ہے کہ صحیح قسم کی تقلید کو

لے کر اس سے اس قسم کی تقلید ثابت کرنا چاہتے ہیں جو سراسر باطل ہے، قدر مشترک کو لے لینا اور ان میں موجود واضح فرق سے آنکھیں بند کر لینا ہے یہی وہ باطل قیاس ہے جس کے مذموم ہونے پر اتفاق ہے اور جو اس باطل تقلید کی سبب بن گیا ہے، اور دونوں برابر طور پر باطل ہیں۔“

جب اللہ تعالیٰ خود سچی خبر کو حجت قرار دیں، شہادت عادلانہ کو حجت قرار دیں تو اس حجت کی اتباع کرنے والوں کو مقلد نہیں کہا جاسکتا، اور اگر حجت کی پیروی کرنے والا مقلد ہے تو وہ دلیل کا مقلد ہے نہ کہ کسی شخص کا اور ایسی تقلید سو بار مبارک، یہی تو ہماری دعوت ہے۔ واللہ المستعان۔ (اعلام الموقعین ۲/ ۲۶۹)

اس سے چند صفحات بیشتر وہ کہہ چکے ہیں :-

کسی کی خبر، اقرار یا شہادت قبول کرنے کا، فتاویٰ میں تقلید سے کیا تعلق؟ ان امور کی خبر دینے والا ایسے محسوس امر کی خبر دیتا ہے جسے معلوم کرنے کا ذریعہ اس کی ظاہری و باطنی قوت احساس و شعور ہے، اور اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ جب ایسا شخص خبر دے جو تمہیں صادق و عادل نظر آتا ہے تو اس کی دی ہوئی خبر پر اعتماد کرتے ہوئے اسے قبول کرو اسی قاعدے کے مطابق جب کوئی خبر دے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایسا کیا یا ایسا فرمایا تو اس کی اطلاع کو قبول کیا جائے گا اور اس اطلاع دینے والے سے سن کر آگے خبر دے گا، اور اسی طرح آگے تک تو اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں کر سکتا۔

اس کے بعد چند مزید مثالیں ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں :-

یہ تمام نظائر ان اخبار و اطلاعات کی قسم سے ہیں جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے اطلاع دینے والے کے صادق و عادل ہونے کی صورت میں اسے قبول کرنے کا حکم دیا ہے، تمام لوگوں کا اجماع ہے کہ ایک آدمی کہہ دے کہ یہ ہدیہ ہے تو اس کی بات قبول ہو کی، زفاف کے وقت خبر واحد ہی یہ بتانے کے لئے

کافی ہوگی کہ یہ اس کی بیوی ہے، اسی طرح عورت کی بات اس کی ماہواری کے انقطاع کے متعلق مانی جائے گی وہ مسلمان ہو یا کتابیہ، ان میں سے کوئی بھی فتویٰ اور احکام میں تقلید کی قسم سے نہیں ہے۔ (اعلام الموقعین ۲/ ۲۵۵) واضح ہے کہ کتابیہ کی اپنے بارے میں مخصوص معاملات میں شہادت قبول کرنے والا مفتی اور قاضی یا اس کا شوہر اس کا مقلد تو نہیں ہوگا، اگر محض شہادت اور خبر پر اعتماد کرنا اور اس کے مطابق شرعی احکام بجالانا تقلید ہے تو اعرابی کی اطلاع پر نبی اکرم ﷺ کے ارشاد :-

”فأذن في الناس يا بلال أن يصوموا غدا“ (سنن اربعة، ابن خزيمة وغيره)

”بلال! لوگوں میں اعلان کر دو کہ کل روزہ رکھیں۔“

کو کیا کہا جائے گا؟

اس سیدھی اور واضح تقریر میں مولانا نے اپنی مرضی سے تبدیلی فرمائی اور روایت اور شہادت کی بجائے احادیث کی تصحیح اور تضعیف پر اعتماد لکھ کر ابن قیم رحمہ اللہ کے ذمہ وہ بات لگادی جو انہوں نے نہیں کہی تھی، اور ساتھ ہی اس پر الفاظ کی بہرا پھیری کی پھبتی کس دی، اسے کہتے ہیں :-

رمتی بدائھا وانسلت

ابن قیم رحمہ اللہ تعالیٰ پر مولانا کی برہمی کا سبب صرف یہ ہے کہ ان کے اٹھائے ہوئے سوالوں کا کوئی جواب اب تک امت تقلید سے نہیں بن پڑا، اور کسی نے سچ ہی تو کہا ہے :-

”إذا عجز الإنسان طال لسانه“

”جب انسان سے کچھ بن نہ پڑے تو وہ زبان درازی پر اتر آتا ہے“

”اعلام الموقعین“ میں تقلید کے متعلق باب میں حافظ ابن قیم رحمہ اللہ تعالیٰ

فرماتے ہیں :-

”ہم یقینی طور پر جانتے ہیں کہ صحابہ رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ایک شخص

بھی ایسا نہ تھا جس نے کسی ایک فرد کو اس کے تمام اقوال میں تقلید کے لئے چن لیا ہو اور اس کے سوا کسی دوسرے کی ایک بات بھی نہ مانتا ہو اور ہم یہ بھی یقینی طور پر جانتے ہیں کہ ایسا تابعین کرام تو کیا اتباع تابعین کے زمانے میں بھی نہ ہوا تھا مقلد ہمارے بیان کو جھوٹا ثابت کرنے کے لئے کسی ایک شخص کا نام تو لیں جس نے رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک کے مطابق فضیلت پانے والے زمانوں میں وہ مکروہ راستہ اختیار کیا ہو جس پر مقلد حضرات گامزن ہیں۔

حقیقت یہی ہے کہ بدعت تقلید چوتھی صدی میں ظہور پذیر ہوئی جسے رسول اکرم ﷺ کی زبان وحی ترجمان نے مذموم قرار دیا تھا۔۔۔۔۔“
ابن قیم رحمہ اللہ مزید فرماتے ہیں :-

”جو کسی ایک کی تقلید کرتا ہے ہمارا اس سے سوال ہے کہ تمہارے امام میں کون سی خصوصیت ہے کہ دوسروں کو چھوڑ کر اس کی تقلید کی جائے اگر وہ کہے کہ وہ اپنے زمانے کا سب سے بڑا عالم تھا تو اس سے پوچھا جائے گا تمہیں اس بات کا کیسے علم ہوا؟ تم اپنے بارے میں جاہل ہونے کا اقرار کرتے ہوئے یہ فیصلہ کیونکر دے سکتے ہو کہ وہ اپنے وقت میں امت کا سب سے بڑا عالم تھا؟ یہ بات تو صرف وہ جان سکتا ہے جسے مذاہب کے اقوال ان کے دلائل اور ان میں رائج اور مرجوع کا علم ہو و ما للأعمی و نقد الدراہم یعنی اندھا کیا جانے لالے کی بہار“ (اعلام الموقعین ۲/ ۲۰۸)

مولانا نے ابن قیم رحمہ اللہ کی اس بصیرت افروز تقریر پر غور کرنے کی بجائے اسے یہ اچھیری قرار دے کر طنز و تعریض کا نشانہ بنانا چاہا حالانکہ :-
”صاحب البيت أدری بما فيه“

کے مہم صدق مولانا سے زیادہ کون جانتا ہو گا کہ سینہ زوری اور ہیرا پھیری بازار کوفہ کی مشہور و مروج اجناس ہیں اللہ تعالیٰ کے فضل سے اہل حدیث اس جنس کے خریدار ہیں

نہ محتاج۔ واللہ الحمد۔

ما اہل حدیثیم و غار اثنا سیم
در قول نبی چون و چرار اثنا سیم

ایک اہم نقطہ :-

اس سلسلہ میں ایک اہم نقطہ جسے حضرات مقلدین ہمیشہ نظر انداز کئے رکھتے ہیں یہ ہے کہ علت و معلول صرف حدیث اور اسناد حدیث کا ہی خاصہ نہیں، بلکہ اس کا خدشہ و امکان ہر اس علم و فن میں ہو گا جس کی بنیاد اخذ و تلقی پر ہو گی، اگر سند کے راوی ثقہ ہوتے ہوئے بھی کبھی حدیث معلل ہو سکتی ہے تو اس بات کا امکان کہیں زیادہ ہے کہ آپ حضرات جس کو امام ابو حنیفہؒ کا قول سمجھ کر اندھا دھند تقلید کئے جا رہے ہیں اور اس کے بالمقابل صحیح ترین احادیث اور موثوق ترین دلائل کو خاطر میں نہیں لاتے وہ سرے سے ان کا قول ہی نہ ہو، احادیث کے روادے سے اگر خطا کا صدور ہے تو ناقلین اقوال آئمہ معصوم عن الخطا تو نہ تھے، حدیث کے بالمقابل فقہی روایات میں سلسلہ اسناد کے طوالت کے پیش نظر یہ امکان چند در چند بڑھتا ہی چلا جاتا ہے، نیز حدیث میں اقوال و افعال کی نبی ﷺ کی طرف نسبت کرنے کی ذمہ داری کی نزاکت کو مد نظر رکھتے ہوئے جہادۂ فن حدیث اور آئمہ جرح و تعدیل نے تحقیق و تحریر کے جو معیار قائم کئے اور اس میدان میں حزم و احتیاط کی جو مثالیں قائم کی ان کا عشر عشر بھی فقہی اقوال کو نصیب نہیں ہوا اور نہ ہو سکتا تھا، بلکہ بعض مقامات پر امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے متعارض اقوال میں ترجیح و اختیار کے لئے کوئی مناسب اور موزوں معیار نہ ہونے کی وجہ سے متاخرین حنفیہ کوئی واضح موقف اختیار کرنے سے عاجز نظر آتے ہیں۔ چنانچہ مولانا بنوری رحمہ اللہ تعالیٰ شوال کے چھ روزوں کے بارے میں فرماتے ہیں :-

”نسب إلى أبي حنيفة و مالك كراهتها و إلى الشافعي و أحمد

استحبابها“ و النقول التي حكاها المتأخرون من ابن نجيم

والكمال، و ابن الكمال و غيرهم من علمائنا مضطربة، ولكن

أفرد هذا الموضوع المحقق العلامة الحافظ قاسم بن قطلوبغا برسالة خاصة سماها- تحرير الأقوال في صوم الست من شوال- و حقق من نصوص المذهب استحبابها عند أبي حنيفة و أبي يوسف ثم اختلفوا هل الأفضل التفريق اور التابع بعد الإتفاق بأداء أصل الفضيلة بأى طريق كان من غير كراهة و اختار أبو يوسف التفريق وراجع للتفصيل ردالمختار“ (معارف السنن ۵/ ۴۴۳)

”ابو حنيفة اور مالک کی طرف منسوب کیا گیا ہے کہ وہ (شوال کے روزوں کو) مکروہ سمجھتے تھے، جب کہ شافعی اور احمد کی نسبت کہا جاتا ہے کہ وہ انہیں مستحب جانتے تھے، ابن نجیم، کمال اور ابن کمال وغیرہ ہمارے علماء متاخرین نے اس بارے میں جو اقوال نقل کئے ہیں ان میں خاصا اضطراب پایا جاتا ہے، تاہم محقق علامہ حافظ قاسم بن قطلوبغا نے اس موضوع پر مستقل رسالہ تالیف کیا ہے جس کا نام انہوں نے ”تحرير الأقوال في صوم الست من شوال“ رکھا ہے اس میں انہوں نے مذہب (حنفی) کی تصریحات سے ثابت کیا ہے کہ ابو حنيفة اور ابو يوسف کا قول بھی ان کے استحباب کا ہے اس اتفاق کے بعد کہ یہ روزے فضیلت رکھتے ہیں اور ان میں کوئی کراہت نہیں (ہمارے علماء کا) اختلاف ہے کہ افضل ان کا مسلسل رکھنا ہے یا متفرق دنوں میں رکھنا“

جب اس قسم کے مشہور مسائل میں بھی امام صاحب کے قول یا اقوال کا یہ حال ہے تو سمجھنا مشکل نہیں کہ حضرات مقلدین کا دواوین فقہ میں آئمہ کی طرف منسوب اقوال پر آنکھیں بند کر کے ایمان لے آنا اور صحیح اور متفق علیہ اسانید کی موجودگی میں احادیث رسول ﷺ کے بارہ میں اندیشہ ہائے دور دراز کا شکار ہو جانا اپنے ایمان و اسلام کے ساتھ انصاف نہیں ہے۔

علاوہ ازیں اگر سند کا معیار حدیث اور فقہی روایات میں یکساں بھی ہو (و انی لہم

ذلك) تو فقہی اسناد ہمیں زیادہ سے زیادہ یہ خبر بہم پہنچائے گا کہ فلاں امام (مثلاً ابو حنیفہؒ) کا فہم و اجتہاد اس مسئلہ میں یہ تھا، ان کا فتویٰ و موقف غلطی سے مبرا تو بہر حال نہیں ہے۔

جب کہ حدیث کی سند ہماری دستگیری کرتے ہوئے نبی اکرم ﷺ تک جا پہنچاتی ہے، جو

﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ. إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ﴾

کے عظیم الشان اور منفرد مقام پر فائز ہیں، جس میں ان کا کوئی سہیم اور مقابل نہیں ہو سکتا:

﴿فَأَيُّ الْفَرِيقَيْنِ أَحَقُّ بِالْأَمْنِ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ﴾

مزید بر آں یہ عذر (گناہ بدتر از گناہ) بھی اس مسئلہ میں کیا جانا چاہئے جہاں کسی حدیث کو علماء فن نے معلول قرار دیا ہو، لیکن جن احادیث کے صحیح ہونے پر امت کا اجماع ہو چکا ہے اور جہابذہ فن حدیث ان کے صحیح ہونے پر متفق بالسان ہیں، ان کے مقابلہ میں محتمل و مشکوک اقوال آئمہ پر اڑ جانا اور احادیث کو یہی کہہ کر رد کر دینا کہ ممکن ہے یہ معلول ہو سر اسر ظلم اور اپنے اوپر اعتماد کرنے والے مقلدین کے ساتھ ۷

آنے والے مجھے کسی طوفان کا رونا رو کر

ناخدا نے مجھے ساحل پہ ڈبونا چاہا

والا معاملہ کرنے کے مترادف ہے۔

حضرت مولانا نے کمال فن سے ابن قیم رحمہ اللہ کی عبارت میں ہیر پھیر کر کے اہل حدیث کو تقلید کا الزام دینے کی کوشش کرتے ہوئے جو تاج محل تعمیر کیا تھا وہ تو پادر ہوا ثابت ہوا لیکن ریت کی یہ دیوار گرتے گرتے ان سے اور ان کے ہمنواؤں سے ایک سوال کر گئی کہ وہ حضرات جو امام ابو حنیفہؒ کی طرف اپنی نسبت تقلید کرتے ہیں در حقیقت کس کے مقلد ہیں، کیونکہ قول کی تحقیق کرنے والے محقق پر اعتماد کو مولانا تقلید کہہ چکے، حنفی کہلانے والے قطلو بنی نکلے کبھی مرغینانی، کبھی طحاوی، کبھی طحاوی

بھی ہسکفی اور کبھی کیا کیا کچھ ۔

شد پریشاں خواب من از کثرت تعبیر با
اس کے بعد مولانا کا قلم اندھے کی لٹھ بن کر رہ گیا جسے کچھ خبر نہیں کہ اس کی زد
کہاں کہاں پڑ رہی ہے فرماتے ہیں ۔

”قرآن کا پڑھنا واجب ہے یا نہیں؟ یقیناً واجب ہے اور غلط پڑھنا حرام ہے
اب بتاؤ کہ بغیر آئمہ کی تقلید کے تم قرآن صحیح پڑھ سکتے ہو؟ ہرگز نہیں اور
یہ بھی تقلید فی الاحکام ہے“

کاش مولانا غور فرماتے کہ بشمول امام اعظم رحمہ اللہ حضرات آئمہ اربعہ رحمہم
اللہ نے بھی قرآن کسی سے سیکھا ہوگا اگر اخذ و روایت بھی تقلید ہی ہے تو یہ حضرات
جن پر اجتہاد فخر کرتا آیا ہے آپ کی عنایت سے تقلید کے نخچیر ثابت ہوئے ۔
اس نقش پا کے سجدہ نے کیا کیا کیا ذلیل

کہ معاملہ

بازی بازی باریش بابا ہم بازی

تک پہنچ گیا۔

مولانا نے درست فرمایا کہ :-

”محدثین نے جو اصول حدیث کی صحت و ضعف کے لئے مقرر کئے ہیں وہ
آسمانی وحی سے مقرر نہیں کئے۔“
لیکن ان کا یہ ارشاد بجا نہیں کہ :-

”محدثین نے یہ اصول و ضوابط اپنے ظن اجتہاد سے مقرر کئے“

اس لئے کہ اہل حدیث کے اکثر اصول منصوص اور مجمع علیہ ہیں حتیٰ کہ حنفیہ کو
بھی ان سے اختلاف نہیں ہے، چنانچہ وہ بھی تصحیح و تحسین حدیث میں انہی کا اعتبار کرتے
آئے ہیں، خود مولانا مقدمہ اعلاء السنن میں رقمطراز ہیں :-

”مع تصحیح الأحادیث أو تحسینہا علی الأصول المتلقاة

بالقبول عند علماء الرواية“ (قواعد فی علوم الحديث ص ۱۸)
 ”علماء روایت (محدثین) کے ہاں متداول و مقبول قواعد و ضوابط کے مطابق
 حدیث کو صحیح یا حسن ثابت کیا گیا ہے۔“

اہل حدیث بحمد اللہ و توفیقہ اس حقیقت سے بخوبی واقف ہیں کہ حدیث کے بعض
 قواعد میں علماء حدیث و فقہ کے مابین کچھ اختلاف پایا جاتا ہے، اور وہ اس کا اعتبار بھی
 کرتے ہیں، لیکن معاملہ تو وہاں بگڑتا ہے جہاں حدیث کو صحیح تسلیم کرتے ہوئے بھی اس
 پر عمل نہیں کیا جاتا، اور حافظ زلیعی جیسے منصف مزاج بھی یوسف أعراض عن هذا
 کے انداز میں لکھتے ہیں :-

”وهذه الأحاديث أيضا مشككة عن مذهبنا في القول ببطلان
 صلاة الصبح إذا طلعت عليها الشمس“ (نصب الراية ۱/ ۲۲۹)
 ”یہ احادیث بھی ہمارے مذہب پر بہت بھاری ہیں، کیونکہ ہم ان کے
 برعکس یہ کہتے ہیں کہ صبح کی نماز پڑھتے ہوئے اگر سورج طلوع ہو جائے تو
 نماز باطل ہو جاتی ہے“ (مسئلہ پہلے ذکر ہو چکا ہے)
 اور حضرت شیخ الہندؒ کا یہ ملفوظ تو تمام عالم کو حیرت زدہ کر کے شہرت حاصل کر
 چکا ہے :-

”ورجح مولانا شاہ ولی اللہ المحدث الدہلوی قدس اللہ سرہ
 فی عملہ مذہب الشافعی من جهة الأحادیث والنصوص و
 كذلك قال شيخنا مدظله بترجيح مذهبه وقال: الحق والإنصاف
 أن الترجيح للشافعي في هذه المسألة ونحن مقلدون يجب علينا
 تقليد إمامنا أبي حنيفة“ (تقرير الترمذی ص ۳۶)

”مولانا شاہ ولی اللہ محدث دہلوی قدس سرہ نے بہت سے رسائل میں اس
 مسئلہ (خیار مجلس) میں احادیث اور نصوص کے اعتبار سے شافعی مذہب کو
 ترجیح دی ہے اس طرح ہمارے شیخ مدظلہ بھی شافعی کے مذہب کے رائج

ہونے کے قائل تھے، چنانچہ فرمایا: حقیقت اور انصاف کی بات تو یہی ہے اس مسالہ میں شافعی کا قول قوی تر ہے، لیکن ہم مقلد ہیں ہم پر اپنے امام ابو حنیفہ کی تقلید واجب ہے۔“

جب صورت حال یہ ہو وہاں مولانا کا یہ فرمانا کہ ”ہو سکتا ہے ایک حدیث محدثین کے اصول پر صحیح ہو اور ہمارے اصول پر ضعیف ہو“ عذر لنگ کے سوا کیا ہے؟

تقلید کے حق میں دلائل کے انبار لگانے کے بعد مولانا ایک بیک دعوت ”اجتہاد“ دیتے ہیں فرمایا: (دلائل میں غور کرنا چاہئے کہ دلیل سے کس کے اصول قوی ہیں) اس چھوٹے سے جملہ سے مولانا کے طبعی رجحان کا پتہ چلتا ہے یعنی یہ ضد کی ہے اور بات مگر خو بری نہیں آخر میں مولانا نے انتہائی مضحکہ خیز دعویٰ کیا ہے کہ:

”حنفیہ سے زیادہ حدیث کا اتباع کوئی نہیں کرتا، دلیل اس کی یہ دی ہے کہ حنفیہ تو قرون ثلاثہ میں مرسل اور منقطع کو بھی حجت مانتے ہیں جس کو اہل حدیث رد کر دیتے ہیں اور مراسل اور مقاطع کا ذخیرہ احادیث مرفوعہ سے کم نہیں کچھ زیادہ ہی ہے، تو یہ لوگ حدیث کے آدھے ذخیرے کو چھوڑتے ہیں۔“

مولانا نے بہت عنایت فرمائی مراسل و مقاطع کے ساتھ ”مواضع“ (موضوعات) کو بھی ملا لیا ہوتا تو آپ کی معمول بہا اور اہل حدیث کی ترک کردہ احادیث کا ذخیرہ دو چند ہو سکتا تھا۔

مزید ارشاد ہوتا ہے:

”مرفوعات میں سے بھی یہ لوگ صحیح یا حسن ہی کو لیتے ہیں ضعیف کو رد کر دیتے ہیں۔“

گویا اہل حدیث صحیح حدیث پر عمل کریں اور ضعیف کو رد کریں تو گردن زدنی اور

آپ حضرات ضعیف و موضوع پر عمل کریں اور صحیح ترین احادیث کو رد کریں اور عمل بالحدیث کا طرہ بھی اپنی دستار میں سجانا چاہیں۔

جو چاہے آپ کو حسن کرشمہ ساز کرے

ویسے واقعہ مولانا کے اس دعویٰ کی بھی تصدیق نہیں کرتا احناف جب رد کرنے پر آتے ہیں تو صحیح، ضعیف احادیث اور آثار صحابہ و تابعین میں سے کسی کو بھی خاطر میں نہیں لاتے، مثال کے طور پر فجر کی سنتوں کا مسئلہ لے لیجئے، آثار السنن میں ہے :

”عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَنْ لَمْ يُصَلِّ رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ فَلْيُصَلِّهُمَا بَعْدَ مَا تَطْلُعُ الشَّمْسُ“ (رواه الترمذی و اسنادہ صحیح)

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے فجر کی سنتیں نہ پڑھی ہوں سورج نکلنے کے بعد پڑھے“ (اس حدیث کو ترمذی نے روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے)

اور اسی مقام پر ہے :

”عَنْ نَافِعٍ عَنْ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّهُ صَلَّى رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ بَعْدَ مَا أَضْحَى“ (رواه أبو بکر بن أبی شیبہ و اسنادہ حسن)

”نافع روایت کرتے ہیں کہ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فجر کی سنتیں سورج نکلنے کے بعد پڑھیں“ (اسے ابن ابی شیبہ نے روایت کیا ہے اور اس کی سند حسن ہے)

”عَنْ قَيْسٍ قَالَ خَرَجَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فَأَقَامَتِ الصَّلَاةُ فَصَلَّيْتُ مَعَهُ الصُّبْحَ ثُمَّ انْصَرَفَ النَّبِيُّ ﷺ فَوَجَدَنِي أُصَلِّي فَقَالَ مَهْلًا يَا قَيْسُ أَصَلَّاتَانِ مَعًا قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنِّي لَمْ أَكُنْ رَكْعَتُ رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ قَالَ فَلَا إِذْنَ“ (رواه الأربعة إلا النسائي و أحمد و أبو بکر بن أبی شیبہ والدارقطني والحاكم والبيهقي ”قال النيموى اسنادہ ضعیف“ (آثار السنن ۲۳۰)

”قیس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اقامت ہوئی تو میں نے آپ کے ساتھ صبح کی نماز پڑھی پھر آپ لوٹے تو مجھے نماز پڑھتے دیکھا، فرمایا ٹھہرو قیس، کیا دو نمازیں ایک ساتھ؟ میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! فجر کی (پہلی) دور کعتیں نہیں پڑھ سکتا تھا فرمایا پھر کوئی حرج نہیں“ (اسے نسائی کے سوا اصحاب سنن اربعہ نیز امام احمد، ابو بکر بن ابی شیبہ، دارقطنی حاکم اور بیہقی نے روایت کیا ہے، نیوی نے کہا کہ اس کی سند ضعیف ہے)

لیکن سادات حنفیہ فرماتے ہیں :

”وإذا فاتته ركعتا الفجر لا يقضيهما قبل طلوع الشمس لأنه يبقى نفلا مطلقا وهو مكروه بعد الصبح‘ ولا بعد ارتفاعها عند أبي حنيفة و أبي يوسف“ (الهداية ۱/ ۴۷۸)

”اگر فجر کی سنتیں وقت پر نہیں پڑھ سکا تو ان کی قضا نہیں ہے نہ سورج طلوع ہونے سے پہلے کیونکہ وہ اب مطلق نفل ہو گئی ہیں اور صبح کی نماز کے بعد نفل پڑھنا مکروہ ہے اور نہ سورج چڑھنے کے بعد قضا پڑھے گا، ابو حنیفہ اور ابو یوسف کا یہی قول ہے۔“

نیز ملاحظہ ہو فتاویٰ دارالعلوم دیوبند (۲/ ۲۰۳)

اسی طرح سورہ حج میں دو سجدہ ہائے تلاوت کے متعلق مرفوع (بند ضعیف) اور مرسل روایت موجود ہے لیکن احناف دوسرے سجدہ کو تسلیم نہیں کرتے (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ۲/ ۴۲۳)

نیز ملاحظہ ہو اعلیٰ السنن (۷/ ۲۴۱)

لیکن اس کے باوجود مولانا بہ تکرار فرماتے ہیں :

”حنفیہ کے نزدیک حدیث ضعیف بھی قیاس پر مقدم ہے بلکہ قول صحابی و قول تابعی کبیر بھی قیاس پر مقدم ہے۔“

یہ ادعائے محض ہے، بہت سی مثالیں ذکر کی جا چکی ہیں جن میں صحیح احادیث کو رد کر دیا گیا ان کی طرف رجوع طبع نازک پر گراں ہو تو ایک مثال اور دیکھ لیں۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں :

”قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ لَا تُصَرُّوا الْإِبِلَ وَالْغَنَمَ فَمَنْ ابْتَاعَهَا بَعْدُ فَإِنَّهُ بِخَيْرِ النَّظَرَيْنِ بَعْدَ أَنْ يَحْتَلِبَهَا إِنْ شَاءَ أَمْسَكَ وَإِنْ شَاءَ رَدَّهَا وَصَاعَ تَمْرٍ“ (صحیح البخاری کتاب البیوع)

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اونٹنیوں اور بکریوں کا تصریہ نہ کرو (جب کسی دودھ والے جانور کو بیچنا مقصود ہو تو کئی وقت اس کو نہیں دوہتے خریدار دھوکہ کھا جاتا ہے اور سمجھتا ہے کہ اس کا دودھ بہت زیادہ ہے اس عمل کو تصریہ یا تحفیل کہتے ہیں) جو شخص ایسا جانور خرید لے اسے دوہنے کے بعد اختیار ہے کہ اگر چاہے تو ایک صاع کھجور کے ہمراہ واپس کر دے۔“

امام بخاری نے اس حدیث کے معابعد فقیہ امت محمدیہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا فتویٰ باسند ذکر کیا ہے وہ فرماتے ہیں :

”عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ مَنْ اشْتَرَى شَاةً مُحَفَّلَةً فَرَدَّهَا فَلْيُرَدِّ مَعَهَا صَاعًا مِنْ تَمْرٍ“ (صحیح البخاری کتاب البیوع)

باب النهی للبائع أن يحفل الإبل والبقر والغنم و كل محفلة
”جو ایسی بکری خریدے جس کی تحفیل کی گئی ہو تو اگر واپس کرے تو چاہیے کہ اس کے ساتھ ایک صاع کھجور دے۔“

سادات حنفیہ کے ہاں اس حدیث پر عمل نہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے فتویٰ پر، اور جو عذر حنفی فقہ کی کتابوں میں کیا گیا ہے اس کی تقریر مولانا حسین احمد دیوبندیؒ کے الفاظ میں یوں ہے :-

”خبر واحد صحیح قیاس پر مقدم ہوتی ہے جب کہ خبر واحد کا راوی فقیہ ہو اگر راوی

فقہ نہ ہو تو خبر واحد کو قیاس پر ترجیح نہ دی جائے گی“ (تقریر ترمذی ۶۷۵)
 کہاں حضرت فخریہ فرما رہے تھے کہ ان کے نزدیک ضعیف حدیث بھی قیاس پر
 مقدم ہے اور کہاں حضرت شیخ الہند کا یہ تصور کہ فرماتے ہیں۔

”اس روایت کو امام صاحب نے خلاف قواعد کلیہ شرعیہ سمجھ کر چھوڑ دیا تو کیا
 غضب ہوا؟“ (تقاریر حضرت شیخ الہند ۱۴۴)

اس مثال سے اور اس سے پہلے ذکر کی گئی مثالوں سے یہ بات واضح ہو چکی کہ فقہ
 حنفی کے یہ اصول صرف دکھانے کے دانت ہیں۔

اصل معمول بہ قول امام مذہب ہے اور بس آیات قرآنیہ احادیث نبویہ آثار صحابہ
 و تابعین ان کے موافق ہوں تو فہما و گرنہ ان کی کوئی حیثیت نہیں، تاویل کے نام پر
 تحریف کے ہزار طریقے ان کے پاس ہیں، حافظ ابن القیم رحمہ اللہ تعالیٰ نے کیا خوب
 فرمایا ہے :

”اے جماعت مقلدین تمہارا حال عجیب ہے جب تمہیں کوئی آیت اپنے امام
 کے قول کے موافق مل جائے تو ظاہر تو یہ کرتے ہو کہ تم اس پر عمل پیرا ہو
 حالانکہ تمہارا دار و مدار اپنے امام کے قول پر ہوتا ہے، آیت پر نہیں، اگر اسی
 طرح کی آیت تمہارے امام کے قول کے مخالف ہو تو تم اس پر عمل کرنے
 کی بجائے اس کی تاویل اور اسے ظاہر معنی سے ادھر ادھر کرنے پر پورا زور لگا
 دیتے ہو کہ وہ تمہارے مذہب کے موافق نہ تھی، بالکل یہی طرز عمل تمہارا
 سنت کی نصوص میں ہے، اگر تمہیں کوئی حدیث اپنے مذہب کے موافق مل
 جائے تو اسے لے لیتے ہو اور کہنے لگتے ہو ہماری دلیل فلاں فلاں حدیث ہے،
 اور جب تمہیں ایک صد سے بھی زیادہ احادیث اپنے امام کے قول کے مخالف
 ملیں تو تم آنکھ اٹھا کر ان کی طرف نہیں دیکھتے... اگر اپنے مذہب کے موافق
 مرسل روایت مل جائے تو کہتے ہو ہمارے نزدیک مرسل حجت ہیں اور
 جب تمہیں یک صد مرسل دکھائی جائے جو تمہارے امام کے مذہب کے

خلاف ہو تو اول سے آخر تک سب کو رد کر دو گے اور کہو گے ہم مرسل پر عمل نہیں کرتے۔

اس سے بھی عجیب تر تمہارا یہ رویہ ہے کہ بسا اوقات تم ایک حدیث پر عمل کرتے ہو مرسل ہو یا مسند اس لئے کہ وہ تمہارے امام مذہب کے قول سے موافقت رکھتی ہے پھر اسی حدیث میں ایک اور حکم ہو جو تمہارے امام کی رائے کے خلاف ہو تو تم اس حصے پر عمل نہیں کرتے حالانکہ وہ ایک ہی حدیث ہوتی ہے، گویا کہ اس کا وہ حصہ تو حجت ہے جو تمہارے اس امام کی رائے کے موافق ہے جس کی تم تقلید کرتے ہو اور وہ حصہ حجت نہیں ہے جو تمہارے امام کی رائے کے خلاف ہے۔“ (اعلام الموقعین ۲/ ۲۱۴)

علامہ ابن القیم رحمہ اللہ کے سیال قلم نے جس حقیقت کے بیان میں کئی صفحات کا احاطہ کر لیا علامہ کرنی نے دو سطروں میں بیان کر دیئے تھے۔

”إن كل آية تخالف قول أصحابنا فإنها تحمل على النسخ أو على الترجيح و الأولى أن تحمل على التأويل من جهة التوفيق“
(أصول كرخي مع اصول بزدوی ۳۷۳)

”ہر آیت جو ہمارے آئمہ کے قول کے خلاف ہے اسے منسوخ یا مرجوع سمجھا جائے گا بہتر یہ ہے کہ اسے تاویل پر محمول کر لیا جائے تاکہ موافقت ہو جائے۔“

نیز فرمایا:-

”إن كل خبر يجهى بخلاف قول أصحابنا فإنه يحتمل على النسخ أو على أنه معارض بمثله“ (ایضاً)

”ہر حدیث جو ہمارے آئمہ کے قول کے خلاف وارد ہو منسوخ سمجھی جائے گی یا یہ سمجھا جائے گا کہ اس کی مثل اس کے معارض وارد ہے۔“ (ایضاً)

یعنی معاملات پہلے ہی سے طے ہیں اور جواب تیار ہے، یہ ہے حقیقت تقلید اور

مذہب امت تقلید اور مولانا فرماتے ہیں کہ ”دلائل میں غور کرنا چاہئے کہ دلیل سے کس کے اصول قوی ہیں“ وہ خود ہی بتائیں کہ سادہ دل بندے کدھر جائیں گے ۷

لائے ہیں بزم یار سے لوگ خبر الگ الگ
 بہر حال مولانا کی یہ تقریر دلپذیر سن کر شاگرد کہنے لگا ”اب میری آنکھ کھل گئی
 ہے اور میں اہل حدیث کے مغالطے سے نکل گیا ہوں۔“
 ہمیں یقین کامل ہے کہ اس کے فوراً بعد مولانا کی بھی آنکھ کھل گئی ہوگی اور وہ کہہ
 اٹھے ہوں گے کہ ۷

تھا خواب میں خیال کو تجھ سے معاملہ
 جب آنکھ کھل گئی تو زیاں تھا نہ سود تھا
 مولانا غفر اللہ لنا ولہ اس وقت اس دنیا میں نہیں وہاں پہنچ چکے ہیں جہاں ہر
 قسم کے مغالطے ختم ہو جاتے ہیں، سب حجاب چھٹ جاتے ہیں اور نقاب اتر جاتے ہیں
 ”فبصرک الیوم حدید“ ان کے اٹھائے ہوئے سوال بعض نا پختہ ذہنوں کے لئے غلط
 فہمی کا ذریعہ نہ بن رہے ہوتے تو ہم ان سے تعرض کرنا مناسب نہ سمجھتے بہر حال اب
 بھی مقصد صرف ممکنہ غلط فہمیوں کا ازالہ ہے۔

مولانا کا یہ مضمون ماہنامہ البلاغ کراچی کے شوال ۱۳۸۷ء کے شمارہ میں شائع
 ہوا تھا، تو علامہ احسان الہی ظہیر شہید رحمہ اللہ نے اس کا جواب تحریر کرنا شروع کیا تھا،
 علامہ صاحب کی تحریر میں ان کی خطابت کا رنگ، ان کی تقریر کا دبدبہ اور طنطنہ تھا،
 کثرت اسفار اور متنوع اشغال نے انہیں تکمیل کی مہلت نہ دی تھی کہ ان کی شہادت کا
 حادثہ فاجعہ پیش آگیا، اور ان کے بہت سے منصوبوں کی طرح یہ مضمون بھی تشنہ تکمیل
 رہ گیا۔

زمانہ بڑے شوق سے سن رہا تھا
 تمہیں سو گئے داستاں کہتے کہتے
 نامکمل ہونے کے باوصف یہ تحریر مدلل اور زور دار ہونے کے باعث مقبول

ہوئی، احباب کے اشتیاق نے اسے یکجا دیکھنے کی تمنا کی، تو بطور تمہید اور تعارف کے یہ سطور سپرد قلم کر دیں۔

اس مقام پر ایک بات کمنا از حد ضروری سمجھتا ہوں کہ فقہی مذاہب پر گفتگو کرتے ہوئے حنفی مذہب کے ضمن میں حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا ذکر بھی آجاتا ہے، ہم اچھی طرح سمجھتے ہیں کہ مروجہ حنفیت سے امام عالی مقام اسی طرح بری ہیں جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام (موجودہ) نصرانیت سے، خلاف نصوص اکثر اقوال کی نسبت ان کی طرف درست نہیں اور جن کی درست ہے ان سے وہ ”إذا صح الحدیث فهو مذہبی“ کہہ کر رجوع فرما چکے۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ اور ان کا یہی فرمان یہ شان رکھتا ہے کہ جس کے بارے میں بجا طور پر اور بلا خوف تردید کہا جاسکتا ہے۔

ولعنة ربنا اعداد مل

علی من رد قول أبی حنیفة

ربنا اغفر لنا وللمؤمنين سبغونا بالابواب ولا نجعل في قلوبنا فلا
للدن آمنا ربنا انفس رؤوس رحيم اللهم ارنا الحق حقاً وارزقنا اننا
وارنا الباطل باطلا وارزقنا احساناً

والآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمين و صلى الله على نبينا محمد و

على آله وصحبه أجمعين

خادم العلم والعلماء

حافظ عبد الحمید ازہر

خطیب محمدی مسجد ایمن آباد

راولپنڈی

۱۲ ربیع الاول ۱۴۱۹ ہجری

تقلید کے بارہ میں ایک گفتگو

حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی رحمہ اللہ

ہمارے حضرت مولانا خلیل احمد صاحب قدس سرہ کا ایک بھانجا مظاہر العلوم سہارنپور سے فارغ ہو کر علیگڑھ میں ایک ڈاکٹر کا کمپوٹر بن گیا، یہ ڈاکٹر جماعت اہل حدیث سے منسلک تھا، اس لئے اپنے کمپوٹر کو بھی جماعت اہل حدیث میں شامل کرنے کی کوشش کی اور اپنے منسلک کی کتابیں مطالعہ کرنے کی ترغیب دی تین سال تک وہ اس منسلک کی کتابیں دیکھتا رہا بالآخر غیر مقلد بن گیا تین سال کے بعد حضرت مولانا سے ملنے سہارنپور آیا اور آتے ہی صاف کہہ دیا کہ اب میں حنفی نہیں ہوں بلکہ جماعت اہل حدیث میں شامل ہو گیا ہوں، حضرت مولانا کو بہت افسوس ہوا اور مدرسہ مظاہر العلوم کے علماء سے فرمایا کہ اپنے اس شاگرد کو سمجھاؤ اور اس کے شبہات کا ازالہ کرو، تین دن تک وہ علماء مظاہر العلوم سے گفتگو کرتا رہا اور اپنے منسلک جدید پر جمارہا، اتفاق سے اس زمانے میں یہ بندہ بھی حضرت مولانا سے ملنے کو تھانہ بھون سے سہارنپور پہنچ گیا مجھے دیکھ کر حضرت بڑے خوش ہوئے اور فرمایا تم بڑے اچھے موقع پر آئے، یہ تمہارا شاگرد حقیقت سے بیزار ہو کر جماعت اہل حدیث میں شامل ہو گیا ہے، تین دن سے علماء مظاہر العلوم اس کو سمجھا رہے ہیں مگر وہ اپنی بات پر جما ہوا ہے تم بھی اس کو سمجھاؤ، یہ باتیں ہو رہی تھی کہ وہ بھی مجھ سے ملنے آگیا میں نے کہا بعد عشاء کے مجھ سے ملو، جب وہ وعدہ کر کے چلا گیا حضرت مولانا نے فرمایا کہ اس نے تین سال تک اہل حدیث کی کتابوں کا مطالعہ کیا ہے اس لئے نظر و سمیع ہو گئی ہے گفتگو میں اس کا لحاظ رہے، میں نے کہا ان شاء اللہ اس کا لحاظ رکھوں گا کہ آپ بھی دعا و توجہ سے مدد فرمائیں، چنانچہ حسب قرار داد بعد نماز عشاء کے وہ میرے پاس آیا جب کہ میں بستر پر لیٹ گیا تھا وہ پاؤں دبانے لگا، میں نے بھی انکار نہ کیا، آخر تو شاگرد تھا اب حسب ذیل گفتگو ہوئی۔

ظفر: ہاں صاحب زادے بتلاؤ اب تمہارا منسلک کیا ہے؟

شاگرد: عمل بالحدیث الصحیح۔

ظفر: بس بالحدیث الصحیح؟ عمل بالقرآن نہیں؟

شاگرد: جناب والا عمل بالقرآن تو سب سے پہلے اس کے بعد عمل بالحدیث الصحیح

ہے۔

ظفر: اگر تمہارا مسلک ہوتا تو پہلے عمل بالقرآن کو بیان کرتے پھر عمل بالحدیث

کا نام لیتے۔

شاگرد: وہ تو ظاہر ہے اس لئے بیان کی ضرورت نہ سمجھی۔

ظفر: یہ تو تم نے بات بنائی ہے ورنہ واقعہ یہ ہے کہ اہل حدیث قرآن پر عمل

نہیں کرتے، لیکن حنفیہ کا اصول یہ ہے کہ وہ اول قرآن کو دیکھتے ہیں پھر احادیث کو اور

جس حدیث کو نص قرآن کے موافق پاتے ہیں اس کو ترجیح دیتے ہیں اور بقیہ احادیث کو

محامل حسنہ پر محمول کرتے ہیں، اب میں تم کو بتلاتا ہوں کہ جن مسائل مشہورہ میں ہمارا

اور اہل حدیث کا اختلاف ہے ان کے لئے ہم نے اول قرآن کو دیکھا اور جن احادیث کو

نصوص قرآنیہ کے موافق پایا ان کو ترجیح دی، قرآن فاتحہ خلف الامام ہی مسئلہ لے لو ہم

نے اس کے لئے قرآن کو پہلے دیکھا، سورہ اعراف میں حق تعالیٰ کا ارشاد ہے :-

﴿وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ﴾ (الأعراف- ۲۰۴)

”جب قرآن پڑھا جائے تو اس کو کان لگا کر سنو اور خاموش رہو، امید ہے کہ

تم پر رحم کیا جائے گا۔“

اس سے صاف معلوم ہوا کہ امام کے ساتھ قرأت نہ کرنا چاہئے بلکہ قرآن کو سننا

اور خاموش رہنا چاہئے، امام احمد بن حنبل کا قول ہے کہ یہ آیت باتفاق قرآن خلف الامام

کے بارے میں نازل ہوئی ہے، اس کے بعد ہم نے احادیث کو دیکھا تو کسی حدیث میں

بھی یہ نہیں آیا کہ :-

لہ جن علماء نے اس کو خطبہ جمعہ کے متعلق کہا ہے ان کا مطلب یہ ہے کہ خطبہ کو بھی اس کے

ساتھ ملحق کیا گیا ہے کیونکہ یہ آیت مکی ہے اور مکہ میں نہ جمعہ تھانہ خطبہ - ۱۲۷

”وَإِذَا قَرَأَ الْإِمَامُ فَأَقْرَأُ“

جب امام قرأت کرے تم بھی قرأت کرو۔

”فَإِذَا كَبَّرَ فَكَبِّرُوا وَإِذَا رَكَعَ فَارْكَعُوا وَإِذَا قَالَ سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ
حَمِدَهُ فَقُولُوا رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ وَإِذَا سَجَدَ فَاسْجُدُوا“

تو حدیثوں میں موجود ہے۔

”کہ جب امام تکبیر کہے تم بھی تکبیر کہو؛ جب رکوع کرے رکوع کرو جب
سمع اللہ لمن حمدہ کہے تو تم ربنا و لک الحمد کہو؛ جب سجدہ کرے تم بھی سجدہ
کرو۔“

مگر یہ کہیں نہیں کہ جب وہ قرأت کرے تم بھی قرأت کرو بلکہ اگر ہے تو ”وَإِذَا
قَرَأَ فَانصتوا“ ہے کہ جب امام قرأت کرے تو تم خاموش رہو، امام مسلم اور امام احمد
نے اور بہت سے محدثین نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے، حنفیہ نے اس کو ترجیح دی اور
بقیہ احادیث کو محال حسنہ پر محمول کیا۔

آمین کے مسئلہ میں بھی حنفیہ نے اول قرآن کو دیکھا چونکہ آمین دعا ہے جیسا امام
بخاری نے اپنی صحیح میں بیان کیا ہے اس لئے دعاء کے بارے میں قرآن کو دیکھا تو اس
میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ملا :

﴿ادْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً﴾

”اپنے رب سے تضرع کے ساتھ آہستہ دعا کرو۔“

تو ہم نے مسئلہ میں شعبہ کی روایت کو ترجیح دی جس میں وارد ہے :

”فَقَالَ آمِينَ وَخَفَضَ بِهَا صَوْتَهُ“

”آپ نے سورہ فاتحہ کے ختم پر آمین کہی اور آواز کو پست کیا۔“

یعنی آہستہ سے آمین کہی یہ حدیث ترمذی میں ہے۔

نماز کے اندر رفع یدین کے بارے میں بھی ہم نے اول قرآن کو دیکھا تو حق تعالیٰ

کا ارشاد ملا :

﴿وَقُومُوا لِلَّهِ قَانِتِينَ﴾

اور

﴿الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ﴾

پہلی آیت میں ارشاد ہے کہ اللہ کے سامنے سکوت اور سکون کے ساتھ کھڑے ہو، دوسری آیت میں فرمایا گیا ہے کہ جو لوگ نماز میں خشوع کرنے والے ہیں وہ کامیاب ہیں اور خشوع کے معنی بھی سکون ہی کے ہیں، اس کے بعد احادیث کو دیکھا تو صحیح مسلم میں روایت موجود ہے کہ صحابہ نماز میں سلام کے وقت ہاتھ اٹھا کر ”السلام علی فلان السلام علی فلان“ کہتے تھے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”مالی أراکم رافعی ایدیکم کأنہا أذنان خیل شمس اسکنوا فی الصلاة“

”یہ کیا حرکت ہے کہ تم اس طرح ہاتھ اٹھاتے ہو جیسے گھوڑے دم اٹھاتے ہیں نماز میں سکون سے رہو۔“

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز میں سلام کے وقت بھی ہاتھ اٹھانا سکون کے خلاف ہے حالانکہ سلام کا وقت نماز میں داخل بھی ہے اور خارج بھی ہے تو رکوع کے وقت ہاتھ اٹھانا کیسے مناسب ہو گا، رکوع تو بالکل داخل صلوٰۃ ہے، ہاں تکبیر تحریمہ میں ہاتھ اٹھانا درست ہے کہ وہ داخل صلوٰۃ یعنی رکن نہیں بلکہ شرط صلوٰۃ ہے، اس لئے حنفیہ نے ان روایات کو ترجیح دی ہے جن میں رکوع کے وقت ترک رفع یدین آیا ہے، اسی پر اور مسائل کو قیاس کرو کہ حنفیہ اول قرآن کو دیکھتے ہیں پھر احادیث میں سے جو نص قرآن کے موافق یا قریب ہوں ان کو ترجیح دیتے ہیں۔

شاگرد: واقعی میں نے اب تک اس نکتہ پر غور نہیں کیا تھا، مگر یہ شبہ اب بھی باقی ہے کہ حنفیہ بعض مسائل میں صحیح احادیث کے خلاف عمل کرتے ہیں۔

ظفر: عزیز من! پہلے تم صحیح حدیث کی تعریف تو بیان کرو مگر دیکھو حدیث صحیح کی تعریف میں کسی کی تقلید نہ کرنا۔

شاگرد: یہ سن کر کچھ دیر خاموش رہا اور پسینہ پسینہ ہو گیا پھر کہنے لگا کہ میں سمجھ گیا واقعی بغیر تقلید کے کسی حدیث کو صحیح کہنا مشکل ہے، پھر بخاری، مسلم و ترمذی وغیرہ کی تقلید تو جائز ہو اور امام ابو حنیفہ، امام مالک، اور امام شافعی کی تقلید ناجائز ہو، یہ کیونکر ہو سکتا ہے، اب میں مسلک اہل حدیث کو چھوڑتا ہوں اور مسلک حنفی اختیار کرتا ہوں۔

ظفر: تم بہت جلد سمجھ گئے اس سے دل خوش ہوا مگر اس کی اچھی طرح وضاحت کر دینا چاہتا ہوں کہ جو لوگ تقلید کا انکار کرتے ہیں اور تقلید کی مذمت کرتے ہیں وہ بھی کسی حدیث کو صحیح یا ضعیف یا حسن بغیر تقلید کے نہیں کہہ سکتے، رہا یہ عذر کہ حق تعالیٰ نے خبر صادق اور شہادت عادل کو حجت قرار دیا ہے تو یہ تقلید نہیں بلکہ اتباع حجت ہے، میں کہتا ہوں کہ حدیث کو صحیح یا ضعیف کہنا محض خبر نہیں بلکہ اس کا مدار محدث کے ظن و اجتہاد پر ہے، بعض دفعہ سند کے راوی سب ثقہ ہوتے ہیں مگر حدیث معلل ہوتی ہے، اور علت کی معرفت حاذقین ہی کو ہوتی ہے، ہر محدث کو نہیں ہوتی، ابن ابی حاتم نے کتاب العلل میں عبدالرحمن بن مہدی کا قول نقل کیا ہے کہ حدیث کی معرفت بھی الہام ہے ابن نمیر نے کہا واقعی سچ ہے اگر محدث سے پوچھو کہ تم نے کیسے کہا (کہ یہ حدیث صحیح ہے یا معلل ہے) تو اس کے پاس کچھ جواب نہ ہوگا، احمد بن صالح رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حدیث کی معرفت بھی ایسی ہی ہے جیسے سونے اور پیتل کا پہچاننا، کیونکہ جو ہر کو جو ہری ہی پہچانتا ہے، پرکھنے والے سے اگر پوچھا جائے کہ تم نے اس کو کھر اس کو کھوٹا کیسے کہا تو وہ کوئی دلیل نہیں بیان کر سکے گا، اس سے ثابت ہو گیا کہ آئمہ حدیث کا کسی حدیث کو صحیح یا معلل کہنا محض خبر نہیں بلکہ ان کا یہ قول ان کے ظن اور اجتہاد پر مبنی ہوتا ہے، تو اس بات میں ان کی بات پر اعتماد کرنا عین تقلید ہے، علامہ ابن القیم کا یہ فرمانا کہ یہ احکام میں تقلید نہیں اس لئے صحیح نہیں کہ حدیث صحیح پر عمل کرنا شرعاً واجب اور ضعیف پر عمل کرنا غیر واجب اور موضوع پر عمل کرنا حرام ہے تو یہ تقلید احکام ہی میں ہے، غیر احکام میں تو نہیں، اسی لئے فقہاء نے بحث سنت کو اور اس کے قبول و رد کے قواعد کو اصول فقہ میں بھی بیان کیا ہے، علامہ ابن القیم کا اس کو

اتباع کہنا تقلید نہ کہنا لفظوں کا ہیر پھیر ہے حقیقت ایک ہی ہے۔

عبار اتناشتی و حسنک واحد و کل الی ذاک الجمال یشیر

عزیز من! قرآن کا صحیح پڑھنا واجب ہے یا نہیں؟ یقیناً واجب ہے اور غلط پڑھنا حرام ہے، اب تم بتلاؤ کہ آئمہ قرأت کی تقلید کے بغیر قرآن صحیح پڑھ سکتے ہو؟ ہرگز نہیں! اور یہ بھی تقلید فی الاحکام ہی ہے، اسی طرح حدیث کو پہچانا اور صحیح کو ضعیف سے الگ کرنا بھی واجب ہے اور اس میں تقلید آئمہ سے چارہ نہیں، پھر جماعت اہل حدیث کس منہ سے تقلید کا انکار کرتی ہے؟ پھر تم کو معلوم ہونا چاہئے کہ محدثین نے جو اصول حدیث کی صحت و ضعف کے لئے مقرر کئے ہیں وہ آسمانی وحی سے مقرر نہیں کئے بلکہ اپنے ظن و اجتہاد سے مقرر کئے ہیں، ایسے ہی ہمارے فقہاء نے بھی صحت و ضعف حدیث کے لئے کچھ اصول مقرر کئے ہیں جو اصول فقہ کی بحث میں مذکور ہیں تو ہو سکتا ہے کہ ایک حدیث محدثین کے اصول پر صحیح، ہمارے اصول پر ضعیف ہو یا ہمارے اصول پر صحیح ہو محدثین کے اصول پر ضعیف ہو تو اس میں نزاع کرنا غلط ہے۔ دلائل میں غور کرنا چاہئے کہ دلیل سے کس کے اصول قوی ہیں، آخر میں اتنا اور بتلا دوں کہ حنفیہ سے زیادہ حدیث کا اتباع کوئی نہیں کرتا، حنفیہ تو قرون ثلاثہ میں مرسل اور منقطع کو بھی حجت مانتے ہیں جس کو اہل حدیث رد کر دیتے ہیں اور مرا سیل مقاطیع کا ذخیرہ احادیث مرفوعہ سے کم نہیں، کچھ زیادہ ہی ہے، تو یہ لوگ حدیث کے آدھے ذخیرے کو چھوڑتے ہیں پھر مرفوعات میں سے بھی یہ لوگ صحیح یا حسن ہی کو لیتے ہیں، ضعیف کو رد کر دیتے ہیں اور حنفیہ کے نزدیک حدیث ضعیف بھی قیاس سے مقدم ہے بلکہ قول صحابی و قول تابعی کبیر بھی قیاس سے مقدم ہے اب تم ہی بتلاؤ کہ عامل بالحدیث کون ہے اور تارک حدیث کون؟ رہا یہ کہ بعض مسائل میں حنفیہ حدیث صحیح کو چھوڑ دیتے ہیں اس کا جواب میں پہلے دے چکا ہوں کہ اس صورت میں جس حدیث پر حنفیہ نے عمل کیا ہے وہ ان کے اصول پر صحیح تھی گو محدثین کے نزدیک ضعیف ہو، حنفیہ کے نزدیک صحت حدیث کا مدار صرف سند پر نہیں بلکہ اس کے لئے کچھ اور بھی شرائط ہیں

جو اصول فقہ میں مذکور ہیں اور ہم نے مقدمہ اعلاء السنن میں بھی ان کو بیان کر دیا ہے اور مقدمہ اعلاء السنن کے دوسرے حصہ میں تقلید و اجتہاد پر مفصل کلام کیا گیا ہے جو زیر طبع ہے، شاگرد الحمد للہ اب میری آنکھیں کھل گئی ہیں اور میں اہل حدیث کے مغالطہ سے نکل گیا ہوں۔

والحمد للہ رب العالمین

احباب دیوبند کی کرم فرمائیاں اہل حدیث پر

از رشحات قلم
شہید اسلام علامہ احسان الہی ظہیرؒ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ہوتا ہے وہاں مشورۂ قتل ہمارا
تو حضرت دل اور سنو تازہ خبر اور

شکوت و ماشکوی لمثلی عادة و لكن تفيض الكاس عند امثالها
مسلمک احناف سے وابستہ ایک گروہ دیوبندی مکتب فکر کے متعلق ہمارا نقطہ نگاہ
ہمیشہ یہی رہا ہے کہ اس سے حتی الوسع ٹکراؤ کی کوئی صورت پیدا نہ ہونے دی جائے
کیونکہ اس بدعات و محدثات اور کفر و الحاد کے دور میں اہل توحید کی باہمی آویزش باطل
فروق اور جماعتوں کی تقویت کا باعث بن سکتی ہے نیز اس سے توجہات کے اصل دین
کی بیخ کنی کرنے والوں سے ہٹ جانے کا احتمال رہتا ہے، لیکن افسوس حضرات دیوبند اس
بات کا چنداں خیال نہیں رکھتے اور بجائے اس بات کہ وہ اپنی انرجی (Energy) کو ان
مذہب اور فرق کی سرکوبی میں صرف کریں جو دین حنیف پر ڈاکہ ڈالنے کی کوششوں
میں مصروف اور شریعت مطہرہ کی صورت بگاڑنے میں مشغول ہیں، الٹا اسے اس ”گروہ
عشاق“ پر طعنہ زنی اور نیش زنی میں صرف کرتے ہیں جس نے لا تعداد قربانیاں دے
کر اس بر صغیر میں توحید اور اتباع رسول ﷺ (فداہ روحی) کا علم بلند کیا اور اسے ان علوم
حدیث سے منور کیا جو صدیوں سے مجبور و متروک تھے اور جس نے بے شمار مصائب
سہنہ کر عمل بالحدیث کی اس شمع کو فروزاں کیا جو برس ہا برس سے بجھی بجھی اور خاموش
خاموش تھی، فدا یوں کا وہ ”طائفۃ مقدسة“ جس نے ہر مخالف اسلام اور خلاف شرع
قوت کے سامنے سد سکندری کا کام دیا اور یہی نہیں بلکہ وہ جماعت جس کاوش و کوشش
موجودہ دیوبندی مکتب فکر کی تکوین کا باعث بنی اور جس نے ہندوپاک کے احناف کے
مسلمک و مذہب کو جلا بخشی اور اس میں نکھار پیدا کیا آنے والا مؤرخ اس بات کی گواہی

۱۔ چنانچہ ایک معروف حنفی عالم مولانا مناظر احسن بہاریؒ نے ایک دفعہ برہان میں لکھا ”اس کو
تسلیم کرنا چاہئے کہ اپنے دین کے اساسی سرچشموں (قرآن و حدیث) کی طرف توجہ ہندوستان کے
حنفی مسلمانوں کو جو پٹی اس میں اہل حدیث اور غیر مقلدیت کی اس تحریک کو بھی دخل ہے“ (ماہنامہ
برہان دہلی ۲ جلد ۴ اگست ۱۹۵۸)

دے گا کہ اگر متحدہ ہندوستان میں اہل حدیث نہ ہوتے تو یہاں حنفیت بریلویت کے حدود سے باہر نہ نکل سکتی، اس لحاظ سے دیوبندیت رہین منت ہے اہل حدیث کی، اور یہی وجہ ہے کہ اہل حدیث کا رویہ دیوبندیوں سے ہمیشہ مخلصانہ و برادرانہ رہا ہے، اور انہوں نے کبھی اپنے درمیان اور ان کے درمیان دوری محسوس نہیں کی اور جب بھی کوئی ایسی بات ہوئی انہوں نے توحید کو قدر مشہد ک قرار دے کر اغماض اور چشم پوشی سے کام لیا، الا یہ کہ پانی سر سے گزرنا شروع ہو جائے، چنانچہ اہل حدیث کی قدیم سے لے کر آج تک کی تاریخ اس بات پر شاہد ہے کہ انہوں نے ہمیشہ اکابر دیوبند کا نام احترام و عزت سے لیا اور انہیں اپنے جلسوں، کانفرنسوں اور اجتماعات میں شرکت کی دعوت دیتے رہے اور کبھی ان کے بارہ میں تنگ دلی اور کم ظرفی کا ثبوت نہیں دیا اور نہ ہی فتویٰ میں ان پر کیچڑ اچھالنے کی کوشش کی، اور نہ ہی خطبات جمعہ و عیدین میں ان کو بحث کا موضوع بنایا لیکن دوسری طرف سے اس بارہ میں نہ صرف یہ کہ کوئی مثبت قدم نہ اٹھایا گیا بلکہ منفی کام کرنے پر صرف زور دیا گیا، چنانچہ گوجرانوالہ کے دو محترم بھائیوں کا اہل حدیث کے ساتھ معاملہ ہمیشہ برادرانہ یوسف کا سارا ہا، انہوں نے جب کوئی کتاب تالیف کی اس میں اہل حدیث اکابر پر خصوصیت سے نظر کرم فرماتے رہے، خواہ موضوع کچھ ہی کیوں نہ ہو اور پھر انداز و اسلوب انتہائی سوقیانہ اور الفاظ و تراکیب انتہائی عامیانہ، وہیں کے ایک اور دیوبندی بزرگ جن کا تعارف برادرانہ گرامی میں سے ایک یوں کراتے ہیں کہ ان کے مزاج میں حدت اور شدت بہت ہے اس لئے ہر جگہ بس ایک ۔

میخانہ ازل میں جہان خراب میں

ٹھہرا گیا نہ ایک جگہ اضطراب میں

کا نمونہ ہیں اور مزاج میں شدت اور حدت کے ساتھ ساتھ تعلیٰ اور جذباتیت بھی حد درجہ کی ہے (فتوحات حسینی ص ۴۰)

عموماً اہل حدیث کو اپنی زبان میں کوئے دینا فرض سمجھتے ہیں، جس کے متعلق مؤلف ”فیوضات“ یوں رقمطراز ہیں: کہ ان کی تفسیر میں زبان آج سے تقریباً دو سو

سال قبل کی استعمال کی گئی ہے، بالفاظ دیگر ملار موزی کی گلابی اردو میں لکھی گئی ہے (حوالہ مذکور) انہی بزرگوار کے ایک بھائی نے جواب اللہ کو پیارے ہو گئے ہیں کافی عرصہ تک - قلعہ دیدار سنگھ کی فضاء کو اہل حدیث کے خلاف مسموم بنائے رکھا اور اب ان کے تلامذہ اور متعلقین اہل حدیث کے خلاف تند و تیز لب و لہجہ میں لکھے ہوئے رسائل کو چھاپ کر دین کی خدمت سر انجام دے رہے ہیں، بعینہ لاہور کے ایک محترم دیوبندی عالم نے لاہور کی پرسکون فضا سے نالاں ہو کر ایک ٹرسٹ کا قیام کیا اور نام اس کا اسلامی ٹرسٹ رکھا اور سب سے پہلا سالہ جو اس ٹرسٹ سے شائع کیا وہ مولوی رفیق دلاوری مرحوم کا امام العصر مولانا امیر سیالکوٹیؒ کی رد میں تالیف کردہ تھا اس طرح سے اہل حدیث کو ان کے اس عمل نیک کی سزا دی کہ انہوں نے مولانا محترم کو ہندوستان سے ہجرت کے بعد اپنے مدرسہ میں مسند تدریس پیش کی تھی اور مولانا متبادل انتظام ہونے تک اس پر جلوہ افروز رہے تھے۔

ہمارے دوست کی ہم پر یہ مہربانی ہے
ہمارے واسطے جو کچھ ہر ایک عدو نے کیا

اور تو اور خود مولانا اور لیس کاندھلوی ایسی گرامی شخصیت کا عالم یہ ہے کہ جب تک وہ اپنے خطبات اور درسی تقاریر میں اہل حدیث کی تردید اور مذمت نہ فرمائیں ان کا غصہ فرو نہیں ہوتا یہی حال ان کی تصنیفات کا ہے، ابھی حال ہی میں ایک کتابچہ جس کا نام شائد ”اجتہاد و تقلید“ تھا دیکھنے کا اتفاق ہوا، اس میں کوئی ایسی بات نہیں جو مولانا اہل حدیث کے متعلق کہہ سکتے اور آپ نے نہ کہی ہو، طرزِ مخاطب انتہائی تحقیرانہ اور توہین آمیز اور اسلوب نگارش انتہائی کھردرا اور غضب آلود اسے پڑھ کر انتہائی دکھ اور افسوس ہوا اور ان خیالات پر بڑی کاری ضرب لگی جو حضرات دیوبند کے متعلق تھے، اصغر تو تھے ہی اصغر لیکن مولانا کاندھلوی بہر حال دیوبندی حلقہ کے ایک بلند پایہ بزرگ ہیں، ان ہی دنوں مولانا کی ایک تقریر کے اقتباسات بھی کسی پرچہ میں دیکھنے کا موقع ملا، اس سے اس دکھ اور افسوس میں اور اضافہ ہوا اسی طرح کئی ایک لوگوں سے ان کی عام

تقاریر کے بارہ میں معلوم ہوا بعینہ صورت مولانا احمد علیؒ کے فرزند اکبر اور جانشین کے بارہ میں معلوم ہوئی اور اہل حدیث کے متعلق ان کے نظریات سننے میں آئے اور اس سلسلہ میں یہ روایت سن کر بڑا ہی تعجب ہوا کہ مولانا احمد علیؒ کی وفات کے بعد شیخ محمد اشرف، حاجی اسحاق حنیف اور میاں عبد المجید ناظم مالیات مرکزی جمعیت اہل حدیث پاکستان حضرت مولانا کے جانشین محترم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے عرض کی کہ لاہور میں ہمیشہ سے معمول یہ رہا ہے کہ اہل حدیث اور دیوبندی منٹوپارک (اقبال پارک) میں اکٹھے عید پڑھتے ہیں، بنا بریں مولانا مرحوم بھی منٹوپارک میں مولانا غزنوی مرحوم کے پیچھے عید کی نماز پڑھا کرتے تھے، اس لئے درخواست لے کر آئے ہیں کہ آپ بھی حسب معمول نماز عید منٹوپارک میں ادا کریں امامت کے فرائض مولانا محمد اسماعیل صاحب امیر جمعیت اہل حدیث سرانجام دیں گے، تو مولانا محترم نے جواب دیا کہ میرے نزدیک تو اہل حدیث کے پیچھے نماز ہی نہیں ہوتی، اس لئے منٹوپارک میں عید پڑھنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، رہی بات مولانا مرحوم کی، تو وہ تو اب دنیا سے رخصت ہو گئے اس لئے وہ جانیں اور ان کا کام! اور یہ تینوں حضرات حیران و پریشان کف افسوس ملتے ہوئے افسردہ دل واپس لوٹ آئے کہ مدتوں کا اتحادیوں لمحہ میں جناب مکرم نے پارہ پارہ کر دیا۔

گفتی کہ چہ شد قاعدہ مہر و محبت

رسم کنی بود بعد تو بر افتاد

ایک طرف تو یہ عالم ہے اور ایک طرف یہ کہ ہم نے کسی دیوبندی امام کے پیچھے نماز ناجائز ہونا تو کجا کبھی کراہت تک محسوس نہیں کی۔

رہ گئے مولانا خیر محمد صاحب اور مولانا قاری طیب صاحب تو یہ اہل حدیث کے دیرینہ کرم فرما ہیں اس لئے ان کی بات کا ہم نے کبھی نوٹس ہی نہیں لیا، لیکن ہندوستان میں اس حلقہ کی چھپی ہوئی ایک کتاب مقدمہ انوار الباری کو دیکھ کر دل و دماغ کے تار جھنجھلا اٹھے ہیں کہ حضرات دیوبند کو اہل حدیث سے کس قدر کینہ اور دشمنی ہے اور کس

طرح ان کی پوری کوششوں اور کاوشوں کا مرکز و محور اہل حدیث کی نیستی اور تدمیر ہے اور وہ اس عداوت میں اس حد تک چلے گئے ہیں کہ اس سب و شتم سے امام الہند مولانا عبد الرحمن مبارکپوری اور محدث دوران و مجددانۃ حاضرہ نواب صدیق خان رحمہما اللہ سے لے کر امیر المؤمنین فی الحدیث امام بخاریؒ تک کوئی بھی شخصیت محفوظ نہیں۔

فلو كان رمحا واحدا لإتقيته

ولكنه رمع وthan و ثالث

کچھ یہی حالت مولوی عبدالرشید نعمانی کی ہے کہ ان کے غیظ و غضب کا جام جب ٹوٹتا ہے تو اہل حدیث پر ٹوٹتا ہے اور پھر وہ غیظ و غضب میں بڑی سے بڑی عظیم المرتبت ہستی پر چھینٹے دینے سے باز نہیں رہ سکتے انہوں نے بڑوں بڑوں کو معاف نہیں کیا ان سب چیزوں کے باوصف ہم نے کبھی اپنے اول الذکر نقطہ نظر کو متاثر نہیں ہونے دیا اور ہمیشہ کی طرح کبھی اس مکتبہ فکر سے بگاڑنے کی نہیں سوچی کہ ان میں مولانا حسین علی رحمۃ اللہ علیہ کے تلامذہ ایسے اہل توحید کے اتحاد کے داعی اور مولانا مفتی محمد شفیع ایسے فرقہ پرستی کے مخالف لوگ موجود ہیں اور اس وجہ سے ان حضرات سے ہمیشہ ملاقات کے شائق اور متمنی رہے اور حرمین میں بکثرت ان سے ملاقاتیں بھی رہیں، اگرچہ مولانا غلام اللہ خان کے پرچہ ”تعلیم القرآن“ میں شاید ان کی بے خبری کی بنا پر کبھی کبھی اہل حدیث پر طنز و تعریض چھپتی ہی رہتی ہے، جس طرح مولانا مودودی اپنے درس قرآن میں اپنی حنفیت کی بنا پر گاہے بگاہے اہل حدیث کو نوازتے رہتے ہیں اور ”ایشیا“ و ”آئین“ کے ذریعہ اس کی شہرت ہوتی رہتی ہے لیکن اس سلسلہ میں سب سے زیادہ چوٹ جو دل پہ لگی اس کا سبب مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کے رسالہ ”البلاغ“ کے شمارہ نمبر ۱۰ ابابت ماہ جنوری میں درج شدہ ایک مضمون ہے اور یہی مضمون ان سطور کا محرک بنا ہے اس میں اہل حدیث پر جو دشنام طرازی اور الزام تراشی کی گئی ہے اس کا ذکر تو آگے آئے گا اس وقت مدعا گزارش یہ ہے کہ یہ مضمون اس محترم بزرگ کے پرچہ میں شائع ہوا ہے جس کے ”اتحاد امت“ پر لکھے گئے مضمون کی سیاہی بھی ابھی خشک

نہیں ہوئی اور جس سے میں اس قدر متاثر ہوا تھا کہ جب مفتی صاحب محترم نے مدینہ یونیورسٹی کے ایک پروفیسر جناب عطیہ سالم کے ہاں دیگر احباب کے ہمراہ مجھے اس کے عربی میں ترجمہ کے متعلق ارشاد کیا تھا تو میں نے فوراً اپنی امادگی کا اظہار کرتے ہوئے ان سے مسودہ لے لیا تھا اور جس کی بنا پر میں ہمیشہ مفتی صاحب کی مدینہ منورہ میں آمد پر ان کے پاس حاضر ہوتا اور ان کی صحبت سے استفادہ کی کوشش کرتا اور محترم کے صاحبزادہ گرامی اس کے گواہ ہیں، ان کے پرچہ میں اہل حدیث کے خلاف اس قسم کے بے سرو پا بے بنیاد اور تند و تلخ مضمون کا چھپنا کم از کم مجھ ایسے مخلصوں کے لئے ایک سانحہ سے کم نہیں، اس مضمون نے میری طرح کے کئی ایک ان لوگوں کے دلوں کو سخت مجروح اور جذبات کو شدید کچلا ہے جو اتحاد امت کے بہت بڑے خواہش مند اور خصوصاً اہل توحید کی یگانگت کے زبردست متمنی ہیں یہ مضمون جو بصورت مکالمہ ”البلاغ“ کے جنوری کے شمارہ میں چھپا ہے۔

ٹنڈوالہ یار کے شیخ الحدیث مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی کا ہے اور اس کا موضوع شاعری کی زبانی وہی ”جرم بے جرمی“ ہے جو اہل حدیث عام کیا کرتے ہیں کہ :-
خونے نہ کردہ ایم و کسے رانہ کشتہ ایم
جرم ہمیں کہ عاشق روئے تو گشتہ ایم

اور :-

کہ یاراں دیگر رانی پرستند

یعنی تقلید اور عنوان ہے :

تقلید کے بارہ میں ایک گفتگو

مولانا اس من گھڑت اور جھوٹے قصہ میں لکھتے ہیں کہ ہمارے حضرت مولانا خلیل احمد صاحب کا ایک بھانجا مظاہر العلوم سے فارغ ہونے کے بعد کسی اہل حدیث ڈاکٹر کے پاس ملازم ہو گیا اور تین برس بعد اس نے حنفیت سے بیزار ہو کر جماعت اہل حدیث میں شمولیت اختیار کر لی، مظاہر العلوم کے اساتذہ نے اس کے شبہات دور

کرنے کی بہت کوشش کی لیکن وہ کامیاب نہ ہو سکے آخر میں میرے ساتھ گفتگو ہوئی اور میں نے اس سے پوچھا کہ تمہارا مسلک کیا ہے تو اس نے جواب دیا کہ عمل بالحدیث صحیح! میں نے کہا عمل بالقرآن نہیں تو اس نے کہا وہ تو ہے ہی میں نے جواب دیا ”یہ تو تم نے بات بنائی ہے ورنہ واقعہ یہ ہے کہ اہل حدیث قرآن پر عمل نہیں کرتے“ (البلاغ حصہ ۲۴ شمارہ ۱۰۲۸ جنوری ۱۹۶۸ء)

خط کشیدہ الفاظ کو دوبارہ ملاحظہ کیجئے اور دیکھئے کہ سینوں میں اہل حدیث کے خلاف کس طرح لاواپک رہا ہے، مندرجات پر گفتگو سے پہلے اس بات کا تذکرہ بے جا نہ ہو گا کہ مولانا ظفر احمد عثمانی کا شمار دیوبند کے چوٹی کے علماء میں ہوتا ہے اور بیسیوں سال سے وہ مسند تدریس کو سنبھالے ہوئے ہیں اور کئی ایک کتابوں کے مصنف بھی ہیں، لیکن اہل حدیث کی مخالفت میں سطحیت کا یہ عالم ہے کہ اس قدر پست الفاظ بولتے ہوئے کسی قسم کی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتے اور اتنا بڑا الزام تراشتے ہوئے خوف خدا بھی پیش نظر نہیں رہتا، قرآن پر کون عمل نہیں کرتا ہے؟ یہ تو ہم عرض کریں گے ہی لیکن اس وقت یہ بات بے محل نہ ہو گی کہ مولانا عثمانی ساری عمر اہل حدیث کے خلاف لکھتے اور بولتے رہے اور خدا نے ان کو دنیا میں ہی اس کا بدلہ دیا ہے کہ بیٹوں نے حدیث کی مخالفت شعار کر لی ہے، باپ اہل حدیث کی تردید میں لکھتے اور بولتے ہیں گویا کہ جس عمارت کی نیو باپ نے رکھی تھی بیٹوں نے اسے استوار کر دیا ہے۔

اب کے جنوں میں فاصلہ شاید نہ کچھ رہے

دامن کے چاک اور گریبان کے چاک میں

یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ امام بخاریؒ پر زبان طعن و اراز کرنے والوں کے گھروں اور مدرسوں میں صحیح بخاریؒ کی احادیث کو ماننے والے پیدا ہوں اور پروان چڑھیں۔

سقونی و قالوا لا تغن لو سقوا! جبال سراقہ ما سقت لغنت

اب ذرا مولانا عثمانی کے اس بہتان کو دیکھئے کہ اہل حدیث قرآن پر عمل نہیں کرتے، سب سے پہلے ہم ان دلائل کا تجزیہ کریں گے جو مولانا نے اہل حدیث کے

قرآن پر عمل نہ کرنے کے ثبوت میں پیش کئے ہیں۔

فاتحہ خلف الامام

پہلی دلیل مولانا نے یہ پیش کی ہے

کہ قرآن میں آتا ہے :

﴿وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ﴾ (الأعراف-۲۰۴)

”جب قرآن پڑھا جائے تو اس کو کان لگا کر سنو اور خاموش رہو امید ہے کہ تم پر رحم کیا جائے گا۔“

اس سے معلوم ہوا کہ امام کے ساتھ ساتھ قرأت نہ کرنا چاہئے بلکہ قرآن کو سننا اور خاموش رہنا چاہئے۔

گویا مولانا کے نزدیک اہل حدیث امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھ کر قرآن کی مخالفت کرتے ہیں اور اس کے حکم کو نہیں مانتے حالانکہ مولانا کو اس بات کا علم ہونا چاہئے کہ امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنے کا حکم خود صاحب قرآن محمد اکرم ﷺ نے دیا ہے اور یہ ممکن ہی نہیں کہ ناطق وحی اور وہ ذات جن کی حفاظت کا ذمہ خود اللہ نے لیا ہو کوئی عمل خلاف قرآن کریں چنانچہ عبادہ بن الصامت روایت کرتے ہیں :

”صَلَّى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ الصُّبْحَ فَثَقُلْتُ عَلَيْهِ الْقِرَاءَةَ فَلَمَّا انْصَرَفَ

قَالَ إِنِّي أَرَاكُمْ تَقْرَءُونَ وَرَاءَ إِمَامِكُمْ قَالَ: قُلْنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ إِي

وَاللَّهِ قَالَ فَلَا تَفْعَلُوا إِلَّا بِأَمِّ الْقُرْآنِ فَإِنَّهُ لَا صَلَاةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِهَا“

”کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں صبح کی نماز پڑھائی تو آپ پر قرأت دشوار ہو گئی

چنانچہ آپ نے نماز سے فارغ ہونے کے بعد فرمایا مجھے معلوم ہوتا ہے کہ تم

امام کے پیچھے پڑھتے ہو، عبادہ کہتے ہیں کہ ہم نے جواباً عرض کیا کہ ہاں یا رسول

اللہ! آپ نے فرمایا کچھ نہ پڑھا کرو مگر سورہ فاتحہ (ضرور پڑھا کرو) کیونکہ اس

شخص کی نماز ہی نہیں ہوتی جو سورہ فاتحہ نہ پڑھے۔“

(یہ روایت ترمذی ابوداؤد وغیرہ کتب حدیث میں موجود ہے اور امام ابوداؤد، ترمذی، دارقطنی، ابن حبان حاکم اور بیہقی وغیرہ نے اسے صحیح حدیث قرار دیا ہے، حوالہ کے لئے دیکھئے التلخیص النجیر الحافظ ابن حجر)۔

اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے :-

”عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ مَنْ صَلَّى صَلَاةً لَمْ يَقْرَأْ فِيهَا بِأَمِّ الْقُرْآنِ فَهِيَ خِدَاجٌ ثَلَاثًا غَيْرُ تَمَامٍ فَقِيلَ لِأَبِي هُرَيْرَةَ إِنَّا نَكُونُ وَرَاءَ الْإِمَامِ فَقَالَ اقْرَأْ بِهَا فِي نَفْسِكَ“ (رواہ مسلم)

”کہ نبی ﷺ نے فرمایا جس نے کوئی بھی نماز پڑھی اور اس میں سورہ فاتحہ نہ پڑھی تو اس کی نماز ناقص ہے، ناقص ہے، ناقص ہے اور ناقص۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث سن کر سائل نے کہا کہ جب ہم امام کے پیچھے ہوں تو اس وقت کیا کریں؟ آپ نے فرمایا اس وقت سورہ فاتحہ آہستہ پڑھو، یہ حدیث صحیح مسلم میں موجود ہے۔“

اور اسی طرح آپ نے یہ بھی فرمایا کہ :

”لَا صَلَاةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ“

”نماز بغیر فاتحہ کے ہوتی ہی نہیں۔“ (بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ)

اور شارح بخاری امام کرمانی اور شارح بخاری امام قسطلانی دونوں لکھتے ہیں کہ یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ سورہ فاتحہ کا پڑھنا ہر ایک پر واجب ہے خواہ وہ امام ہو، مقتدی ہو یا اکیلا ہو، اور چاہے نماز سری ہو یا جہری (قسطلانی و کرمانی) اور اسی وجہ سے حکیم ہند شاہ ولی اللہ نے کیا خوب کہا ہے :-

علمی کہ نہ ماخوذ ز مشکوٰۃ نبی است

واللہ کہ سیرابی ازاں تشنہ لبی ست

اور اس سے بھی عجیب تر بات یہ ہے کہ خود خداوند ذوالجلال نے اس آیت کے

آگے دوسری آیت میں فرمادیا ہے :-

﴿وَاذْكُرْ رَبَّكَ فِي نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَخِيفَةً وَدُونَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ
بِالْعُدُوِّ وَالْآصَالِ وَلَا تَكُنْ مِنَ الْغَافِلِينَ﴾ (الأعراف - ۲۰۵)
”کہ دل میں آہستہ آہستہ بلند آواز نہ کرتے ہوئے صبح و شام (کہ یہ جہری
نمازوں کے اوقات ہیں) پڑھتے رہو اور (چپ کر کے) غافلوں میں سے نہ
ہو جاؤ۔“

اس لئے قرآن پر تودہ عامل نہ ہوا جس نے سورہ فاتحہ کو امام کے پیچھے نہ پڑھا نہ
کہ وہ جس نے سورہ فاتحہ پڑھی۔

وہ الزام ہم کو دیتے تھے قصور اپنا نکل آیا
اور طرفہ تماشہ یہ ہے کہ احناف کے تین بڑوں میں سے ایک امام محمدؒ کے متعلق
حنفیہ کے مشہور امام مرغینانی ہدایہ میں رقمطراز ہیں :

”و يستحسن على سبيل الاحتياط فيما يروى عن محمد“
”کہ امام محمدؒ کے نزدیک امام کے پیچھے سورہ فاتحہ احتیاطاً پڑھنا اچھا فعل ہے“
تو گویا

ایں گناہیست کہ در شہر شمانیز کنند
اگر مخالفت قرآن کی دلیل قرأت فاتحہ خلف الامام ہی ٹھہری تو الزام سے ان کا
دامن بھی آلودہ ہوئے بغیر نہ رہ سکا کہ فقہ کا بیشتر حصہ جن کا رہن منت ہے اور جن
کے متعلق بار بار فقہی کتابوں میں آتا ہے :

”والفتوى على قول محمد“
کہ حنفی مذہب کا فتویٰ امام محمدؒ کے قول پر ہے۔

دم اخیر ہے اے داغِ توبہ کر توبہ
کہ روسیہ ابھی اختیار باقی ہے
قرآن پر کون عمل نہیں کرتا

مولانا عثمانی نے اہل حدیث کو الزام دیا تھا کہ وہ امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھ کر

قرآن حکیم کی آیت : ﴿وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ...﴾ پر عمل نہیں کرتے، اور ہم نے مختصر اثبات کر دیا ہے کہ امام کے پیچھے سورہ فاتحہ کا پڑھنا عین منشاء نبوت اور مطابق قرآن ہے کہ آنحضرت (فداہ روجی) کی اس کے بارہ میں صراحت آگئی ہے، اب ذرا احناف کو دیکھئے کہ بغیر کسی استناد کے کس طرح قرآن حکیم کی اس آیت کی کھلم کھلا خلاف ورزی کرتے ہیں، فتاویٰ عالمگیری کہ حنفی مذہب کا بہت بڑا ماخذ و مصدر ہے اس میں ہے کہ امام کے قرأت شروع کرنے کے بعد مقتدی سبحانک اللہ پڑھ سکتا ہے (عالمگیری باب صفت الصلاة) اب بتلائے کہ قرآن پر عمل کس نے نہیں کیا؟ اہل حدیث نے جو رسول اللہ ﷺ کے حسب ارشاد اور قرآن کے حسب فرمان امام کے پیچھے سورہ فاتحہ کی قرأت کے قائل ہیں یا احناف نے جو بغیر کسی سند کے قرأت امام کے وقت سبحانک اللہ پڑھنے کی اجازت بخشتے ہیں؟۔

ستعلم لیلی ای دین تدانیت و ای غریم فی التقاضی غریمہا!
اور فقہ حنفی کی مشہور درسی کتاب ”منیۃ المصلی“ میں تو یہاں تک فرما دیا ہے :
”و عن الفقیہ ابی جعفر إذا أدرك الإمام فی الفاتحة یثنی باتفاق“
ذکرہ فی الذخیرۃ“

”کہ فقیہ ابو جعفر فرماتے ہیں، جب مقتدی اسے عالم میں نماز میں شامل ہو کہ امام سورہ فاتحہ کی تلاوت کر رہا ہے تو وہ ثناء (سبحانک اللہم) پڑھے اور اس میں کسی کا اختلاف نہیں (صاحب منیۃ کہتے ہیں) کہ یہ روایت ذخیرہ میں موجود ہے“

اور کبیری میں ہے کہ امام ابو یوسف کے نزدیک سورہ فاتحہ ہی نہیں بلکہ اگر کسی دوسری سورہ کی تلاوت کر رہا ہو تب بھی مقتدی ثناء پڑھے (حوالہ کے لئے دیکھئے حاشیہ منیۃ المصلی ص ۲۵۴ مطبوعہ نو لکشور)

مولانا عثمانی اور قارئین انصاف فرمائیں اگر اہل حدیث امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھ کر قرآن کے مخالف بن جاتے ہیں تو امام ابو جعفر اور امام ابو یوسف امام کے پیچھے پڑھ

کر کیوں نہیں؟

دل میں سما گئی ہیں قیامت کی شوخیاں

دو چار دن رہا تھا کسی کی نگاہ میں!

اور یہ بات ایک لطیفہ سے کم نہ ہوگی کہ مولانا عثمانی اہل حدیث کے قرآن پر عامل نہ ہونے کے اثبات میں اپنے تین بڑوں میں سے دو (امام محمدؒ اور امام یوسفؒ) کو ہم مجرموں کے کٹہرے میں کھڑا کر دیا۔

مختص داند کہ حافظ مے خورد

و آصف ملک سلیمان نیز ہم

اور اہل حدیث پر تو فرد جرم لگانہ ہو سکے لیکن دو تہائی حنفیت نے ضرور ہاتھ دھو بیٹھے۔

عشق تو قائم نہ ہوا آپ سے

اور ہی کچھ پیشہ کیا چاہئے

مولانا عثمانی کو اگر ان لوگوں اور مسائل کی فہرست مرتب کرنا ہی تھی جو قرآن پر عمل نہیں کرتے یا قرآن کے مخالف ہیں تو انہیں اپنے فقہاء اور فقہ سے ہی بیسیوں لوگ اور مسائل مل جاتے کما سیجی۔

سردست اس آیت زیر بحث ﴿وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ﴾ پر عمل نہ کرنے والے ایک اور حنفی فقیہ و عالم کا تذکرہ کئے دیتے ہیں جو نہ صرف یہ کہ اس پر عمل ہی نہیں کرتے بلکہ برسر منبر اس کے حکم کے ماننے تک سے انکاری ہیں اور وہ ہیں اصول فقہ حنفی کی مشہور درسی کتاب کے مصنف ملا جیونؒ وہ فرماتے ہیں کہ آیت ﴿وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ﴾ آیت ﴿فَاقْرَأْ مَا تيسر من القرآن﴾ سے متعارض ہے اس لئے دونوں کا حکم تعارض کی وجہ سے گر جائے گا اور دونوں پر عمل نہیں ہوگا اور ان کے اپنے الفاظ ہیں :-

”أَنَّ الْآيَتَيْنِ إِذَا تَعَارَضَتَا تَسَاقَطَتَا... مِثَالُهُ قَوْلُهُ تَعَالَى فَاقْرَأْ مَا

تیسر من القرآن مع قوله تعالى وإذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا فإن الأول بعمومه يوجب القراءة على المقتدى والثاني بخصوصه ينفية وقد وردا في الصلاة جميعاً فتساقطا

”یعنی جب دو آیتوں کے درمیان تعارض پیدا ہو جائے تو دونوں کا حکم ساقط ہو جاتا ہے اور اس مثال فاقروا من تیسر من القرآن اور وإذا قرئ القرآن ہے کہ پہلی آیت مقتدی پر قرأت واجب کرتی ہے اور دوسری آیت قرأت سے روکتی ہے اور دونوں آیات نماز کے بارہ میں نازل ہوئی ہیں اس لئے دونوں پر عمل نہیں کیا جائے گا“ (نور الانوار ص ۱۹۳ مطبوعہ مجیدی کانیپوری) یہ ہے مخالفت قرآن دندنے اور طنطنے کے ساتھ ۷

نہ آپ آئے نہ ہم آئے کہیں سے
پسینہ پونچھے اپنی جبیں سے

کیا بلند آواز سے آمین کہنا قرآن کے منافی ہے

کتنے شیریں ہیں ترے لب کہ رقیب

گالیاں کھا کے بے مزہ نہ ہوا

اہل حدیث کے قرآن پر عامل نہ ہونے کے ثبوت میں مولانا عثمانی نے دوسری دلیل یہ پیش کی ہے کہ اہل حدیث اونچی آواز سے آمین کہتے ہیں حالانکہ آمین دعا ہے اور دعا کے متعلق قرآن حکیم میں آیا ہے :

﴿ادْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً﴾

اپنے رب سے عاجزی کے ساتھ آہستہ آہستہ دعا کرو۔

مولانا اہل حدیث کے خلاف عناد میں اس قدر آگے چلے گئے ہیں کہ انہوں نے اہل حدیث پر فرد جرم عائد کرنے کے لئے ایک ایسی دلیل تراش لی۔ جس کی آئمہ احناف اور متقدمین حنفیہ میں سے کسی کو خبر نہ ہو سکی اور وہ اس جوش میں اس قدر خود فراموش ہو گئے کہ اتنا بھی نہ سوچا کہ اس ستم رانی کی زد کس کس پر پڑے گی اور تو اور اگر قرآن حکیم کی بے شمار و لا تعداد آیات پر ایک نظر ڈال لیتے جو دعا بالجہر کے متعلق وارد ہوئی ہیں۔ تو بلند آواز سے دعا بالجہر کو منافی قرآن نہ بتاتے اور نہ ہی اس آیت کا وہ ترجمہ و مفہوم لیتے۔ جواب صرف اہل حدیث کو مطعون کرنے کے لئے لیا ہے کہ بصورت دیگر اس آیت میں اور دوسری آیات میں تضاد پیدا ہوتا ہے۔ جس سے کلام خالق متعال منزہ و مبرا ہے اور جس کی برأت و تنزیہ کی شہادت خود اصدق القائلین نے ان الفاظ میں دی ہے :

﴿وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللَّهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا﴾

”یہ قرآن اگر غیر اللہ کا نازل کردہ ہوتا تو اس میں تضاد و اختلاف ہوتا“

چونکہ اس میں تضاد اور اختلاف نہیں ہے۔ اس لئے ثابت ہوا کہ یہ اللہ کا نازل کردہ ہے اور وہ آیات وہ ہیں جن سے بآواز بلند دعا مانگنا ثابت ہے چنانچہ باری تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں :

﴿وَلَقَدْ نَادَانَا نُوحٌ فَلَنِعْمَ الْمُجِيبُونَ﴾ (الصافات- ۷۵)
 ”اور ہمیں نوح نے با آواز بلند پکارا اور ہم نے اس کی دعا کو شرف قبولیت بخشا۔“
 ایک اور مقام پر فرمایا :

﴿وَنُوحًا إِذْ نَادَىٰ مِنْ قَبْلُ فَاسْتَجَبْنَا لَهُ﴾ (الأنبياء- ۷۶)
 ”اور نوح (کو یاد کرو) جب اس نے بلند آواز سے پکارا تو ہم نے اس کی پکار کو قبول کیا۔“

حضرت ایوب علیہ السلام کے متعلق فرمایا :

﴿وَإِيُوبَ إِذْ نَادَىٰ رَبَّهُ أَنِّي مَسَّنِيَ الضُّرُّ وَأَنْتَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ﴾ (الأنبياء- ۸۳)
 ”اور ایوبؑ کہ اس نے بلند آواز سے دعا کی (اے اللہ) مجھے تکلیف ہے پہنچی اور تو بہت رحم کرنے والا ہے (میری تکلیف کو دور کر دے)“
 اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

﴿فَاسْتَجَبْنَا لَهُ فَكَشَفْنَا مَا بِهِ مِنْ ضُرٍّ﴾ (الأنبياء- ۸۴)

”ہم نے اس کی دعا قبول کر لی اور تکلیف دور کر دی۔“

اسی طرح حضرت یونس علیہ السلام کے متعلق فرمایا :

﴿فَنَادَىٰ فِي الظُّلُمَاتِ أَن لَّا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ

الظَّالِمِينَ﴾ (الأنبياء- ۸۷)

یہ اور اس قسم کی بیسیوں آیات اور ہیں، اس سب میں دعا کو بصیغہ نداء ذکر کیا ہے اور نداء عربی میں آواز بلند کو کہتے ہیں چنانچہ امام راغب اصفہانی فرماتے ہیں :

”نداء رفع الصوت و ظهوره“

کہ نداء کے معنی آواز کا بلند کرنا اور اس کا ظاہر کرنا ہے۔ (مفردات امام راغب ص ۵۰۵ مصطفیٰ بانی حلبی)

اور لغت عرب کے امام ابن منظور افریقی مصری فرماتے ہیں :

”النداء ممدود الدعاء برفع الصوت‘ وفلان اندی صوتاً عن فلان
أى أبعد مذهباً و أرفع صوتاً“

”کہ نداء کے معنی بلند آواز سے پکارنے کے ہیں اور فلان اندی صوتاً من
فلان کا معنی ہے کہ فلاں کی آواز فلاں سے بلند اور دور رس ہے“ (لسان
العرب جلد ۲ ص ۷۸۷ ط بولاق)

اور صاحب مجمع بحار الانوار لکھتے ہیں (اندی صوتاً أى أرفع وأعلى) کہ اندی
صوتاً کا معنی بلند اور اونچی آواز والا ہے (مجمع بحار الانوار جلد ۳ صفحہ ۳۴۵ طبعہ نول کشور)
اور خود قرآن حکیم میں بھی اس کی بے شمار مثالیں موجود ہیں کہ نداء بلند آواز کو
کہتے ہیں۔

چنانچہ سورہ ہود میں اللہ لم یزل نے حضرت نوح اور ان کے بیٹے کا مکالمہ نقل کیا
ہے اور اس کی ابتداء اس لفظ سے ہوئی ہے کہ : ﴿وَنَادَى نُوحٌ ابْنَهُ...﴾ الخ اور نوح
نے اپنے بیٹے کو پکارا اور وہ کنارے پہ تھا کہ اے میرے بیٹے ہمارے ساتھ سوار ہو جاؤ اور
کافروں کا ساتھ نہ دو۔

اسی طرح سورہ اعراف میں اصحاب الجنت، اصحاب الاعراف اور اصحاب النار کی
آپس کی بات چیت کو بھی بلفظ نداء ہی ذکر کیا ہے :
﴿وَنَادَى أَصْحَابُ الْجَنَّةِ أَصْحَابَ النَّارِ﴾

اور

﴿وَنَادَى أَصْحَابُ الْأَعْرَافِ رَجُلًا﴾

اور

﴿وَنَادَى أَصْحَابُ النَّارِ أَصْحَابَ الْجَنَّةِ﴾

کہ جنتیوں نے دوزخیوں کو کہا اور اعراف والوں نے دوزخیوں کو پکارا اور دوزخیوں نے
جنتیوں سے سوال کیا اور ظاہر ہے کہ ایک دوسرے سے بات، سوال اور مخاطب بغیر آواز
بلند کئے ہو نہیں سکتی، اس لئے اس بات کو تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں کہ نداء کے معنی

باواز بلند پکارنے کے ہیں اور اسے ماننے کے بعد یہ بھی قطعاً ماننا پڑے گا کہ مولانا عثمانی نے آیت ﴿ادْعُوا رَبَّكُمْ﴾ الخ کا جو ترجمہ کیا ہے اور اس سے جو مفہوم اخذ کرنا چاہا ہے وہ بالکل غلط ہے ورنہ کلام باری کو (عیاذ باللہ) باہم متضاد و متناقض کہنا پڑے گا۔

معافی چاہ بے ادبی سے اپنی
اور اس بات کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا کہ قرآن حکیم میں کوئی حکم وارد ہو اور مبین قرآن اور حامل وحی ﷺ اس کے خلاف کریں حالانکہ آمین بلند آواز سے کہنا نہ صرف یہ کہ خود آنحضرت ﷺ سے ثابت ہے بلکہ آپ نے اپنے صحابہ کو اونچی آواز سے کہنے کا حکم دیا ہے۔

چنانچہ حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں :
”كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِذَا قَرَأَ (وَلَا الضَّالِّينَ) قَالَ آمِينَ وَرَفَعَ بِهَا صَوْتَهُ“ (رواہ ابو داؤد)

”رسول اکرم ﷺ جب ولا الضالین پڑھ لیتے تو بلند آواز سے آمین کہتے۔ امام ابو داؤد نے اس حدیث کو نقل کیا۔“

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں :

”وَكَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِذَا قَالَ (غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ) قَالَ آمِينَ حَتَّى يَسْمَعَهَا أَهْلُ الصَّفِّ الْأَوَّلِ فَيَرْتَجُ بِهَا الْمَسْجِدُ“ (رواہ ابو داؤد)

”رسول اللہ ﷺ غیر المغضوب علیہم ولا الضالین پڑھنے کے بعد اس زور سے آمین کہتے کہ پہلی صف والے اسے سن لیتے اور اس کی آواز سے مسجد گونج اٹھتی“
یہ روایت بھی سنن ابی داؤد میں موجود ہے۔

ابن ماجہ میں جو روایت آتی ہے اس کے الفاظ یہ ہیں :

”كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِذَا قَالَ (غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ) قَالَ آمِينَ حَتَّى يَسْمَعَهَا أَهْلُ الصَّفِّ الْأَوَّلِ فَيَرْتَجُ بِهَا

المسجد“ (رواہ ابن ماجہ)

”رسول اللہ ﷺ غیر مغضوب علیہم ولا الضالین پڑھنے کے بعد اس زور سے آمین کہتے کہ پہلی صف والے اسے سن لیتے اور اس کی آواز سے مسجد گونج اٹھتی“
اور یہی وجہ ہے کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے استاد امام عطاء رحمہ اللہ جو بلند پایہ تابعی ہیں فرماتے ہیں :

”أدرکت مائتین من الصحابة فی هذا المسجد إذا قال الإمام

(ولا الضالین) سمعت لهم ضجة بآمین“ (رواہ البیهقی)

”میں نے نبی ﷺ (فداہ ابووامی) کے دو سو صحابہ رضی اللہ عنہ کو پایا کہ وہ امام کے ولا الضالین کہنے کے بعد بلند آواز سے آمین کہتے“ (امام بیہقی نے اسے روایت کیا ہے)

اور صحیح ابن حبان میں ہے :

”أدرکت مائتین من أصحاب النبی ﷺ فی هذا المسجد. یعنی

مسجد الحڈرام. إذا قال الإمام ولا الضالین رفعوا أصواتهم بآمین“

”عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے اس مسجد - یعنی مسجد حرام - میں

(بیت اللہ) میں دو سو صحابہ کو پایا کہ جب امام ولا الضالین پڑھ لیتا تو وہ بآواز بلند

آمین کہتے“

اور صحابہ کا بلند آواز سے آمین کہنا اس وجہ سے تھا کہ انہوں نے اپنے کانوں سے

ناطق وحی کو آمین بالجہر کہتے سنا تھا اور نہ صرف یہ بلکہ انہیں یہ فرمان مصطفویٰ یاد تھا :

”إِذَا قَالَ الْإِمَامُ (غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ) فَقُولُوا آمِينَ

فَإِنَّهُ مَنْ وَافَقَ قَوْلَهُ قَوْلَ الْمَلَائِكَةِ غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ“ (رواہ

البخاری فی جہر الماموم بالتامین)

”جب امام آمین کہے تو تم بھی آمین کہو کہ جس کی بات فرشتوں کی بات سے

مل گئی اس کے اگلے گناہ معاف کر دیئے گئے“

امام بخاریؒ نے اس حدیث کو باب ”مقتدی باواز بلند آمین کہے“ میں روایت کیا ہے :

شارح بخاری امام قسطلانی اور شارح بخاری امام ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں آمین بالجہر کہنے کا حکم آیا کیونکہ :-

”والقول إذا وقع به الخطاب مطلقاً حمل على الجهر و متى أريد به الإسرار و حديث النفس قيد به ذلك“ (قسطلانی و فتح الباری)
 ”کہ قول کے لئے جب صیغہ مخاطب مطلقاً آئے تو اس سے مراد قول بالجہر ہوتا ہے اور جب قول سے مراد قول مخفی یا دل کی بات ہو تو اس وقت قول کے ساتھ کوئی قید بھی ہوتی ہے۔“

اللہ گواہ کہ گر جرم ماہمیں عشق است
 گناہ گبر و مسلمان بہ جرم ما غشد

اور یہ تو آمین کے بارہ میں ہے جس کے دعا ہونے یا نہ ہونے میں علماء کا اختلاف ہے اور جسے خود احناف کے اہم متبوع امام ابو حنیفہ دعا نہیں کہتے جیسا کہ شیخ الاسلام بکر المعروف خواہر زادہ نے شرح مبسوط میں ذکر کیا ہے :

”وروی عن أبي حنيفة رحمه الله أنه قال لا يؤمن الإمام بآمين إنما يقوله المأموم و ذلك لأن الإمام داع والمأموم مستمع و إنما يؤمن المستمع لا الداعي كما في سائر الأدعية خارج الصلاة“
 ”امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ امام آمین نہ کہے صرف مقتدی کہے کیونکہ امام دعا مانگنے والا ہے اور مقتدی سننے والا کہتا بلکہ سننے والا کہتا کرتا ہے جیسا کہ تمام ادعیہ میں معمول ہے“

اور تقریباً یہی روایت ملا عبد الحکیم سیالکوٹی حنفی نے بیضاوی کے حاشیہ میں درج کی ہے اور دیگر بہت سے علماء کا بھی یہی خیال ہے کہ آمین دعا نہیں بلکہ خاتمہ دعا ہے جیسا کہ تفسیر معالم التنزیل وغیرہ میں حضرت ابن عباس اور حضرت قتادہ اور ابو داؤد

میں حضرت زہیر اور تفسیر بیضاوی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے اور طاہر پٹنی صاحب مجمع البحار کا بھی نظریہ ہے لیکن رسول اللہ ﷺ سے تو ان ادعیہ کو بآواز بلند پڑھنا بھی ثابت ہے جن کے دعا ہونے میں کسی کو کوئی شبہ نہیں چنانچہ اصح الکتاب بعد کتاب اللہ بخاری شریف میں ہے :

”عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ كُنَّا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فِي الْخَنْدَقِ وَهُمْ يَحْفَرُونَ وَنَحْنُ نَنْقُلُ التُّرَابَ عَلَى أَكْتَانَيْنِ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ اللَّهُمَّ لَا عَيْشَ إِلَّا عَيْشُ الْآخِرَةِ فَاعْفِرْ لِلْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ“

”سہل بن سعد روایت کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ خندق میں حاضر تھے کچھ لوگ کھدائی کر رہے تھے اور ہم کھدی ہوئی مٹی کو کندھوں پر اٹھائے ڈھورہے تھے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا اے اللہ زندگی آخرت کی زندگی ہے تو مہاجرین اور انصار کو بخش دے۔“

اور ایک روایت میں آنحضرت کی دعا کے الفاظ اس طرح آتے ہیں :

اللهم ان العيش عيش الآخرة فاغفر للأنصار والمهاجرة

اور بخاری شریف کی ہی ایک دوسری روایت میں ہے حضرت براء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں :

”كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَنْقُلُ التُّرَابَ يَوْمَ الْخَنْدَقِ حَتَّى أَعْمَرَ بَطْنَهُ أَوْ اغْبَرَّ بَطْنَهُ يَقُولُ :

وَاللَّهُ لَوْ لَا اللَّهُ مَا اهْتَدَيْنَا	وَلَا تَصَدَّقْنَا وَلَا صَلَّيْنَا
فَأَنْزَلْنَا سَكِينَةً عَلَيْنَا	وَتَبَّتِ الْأَقْدَامُ إِنَّ لَاقِينَا
إِنَّ الْأَلَى قَدْ بَغَوَا عَلَيْنَا	إِذَا أَرَادُوا فِتْنَةً أَبِينَا

وَرَفَعَ بِهَا صَوْتَهُ أَبِينَا أَبِينَا“ و فی روایة یمدبہا

”کہ نبی ﷺ غزوہ خندق پر خود مٹی ڈھورہے تھے یہاں تک کہ آپ کا بدن مبارک خاک سے اٹ گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا خدا کی قسم اگر خدا کی رہنمائی

نہ ہوتی تو ہم راہ راست پر نہ آسکتے، اور نہ صدقہ کرتے اور نہ نماز پڑھتے، اے اللہ ہم پر اپنی سکینت نازل فرما اور جنگ کے وقت ہمیں ثابت قدم رکھ ان لوگوں (کفار) نے ہم پر زیادتی کی ہے اور انہوں نے ہمیں فتنہ میں مبتلا کرنا چاہا تو ہم نے انکار کر دیا، (حضرت سہل رضی اللہ عنہ کہتے ہیں) آخر میں حضور ﷺ آواز کو بلند کر دیتے تھے۔“

اور غزوہ خیبر میں کچھ اس قسم کی دعا آپ نے حضرت عامر بن اکوع سے سنی اور فرمایا ”یرحمہ اللہ“ (یعنی حضرت عامر اس غزوہ میں شہید ہو جائیں گے، تفصیل کے لئے صحیح مسلم غزوہ خیبر روایت مسلمہ بن الاکوع۔

اور اگر اس کے علاوہ حضور اکرم ﷺ کی اور دعاؤں کے متعلق معلوم کرنا ہو تو صحاح کو اٹھا کر دیکھ لیں، بیسیوں روایات مل جائیں گی، جن سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ بلند آواز سے دعا مانگا کرتے تھے، اور خصوصاً حضرت ربیعہ حضرت ابن عباس حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم سے بیشمار ﷺ ایسی مرویات ہیں کہ انہوں نے فلاں دعا سرور کائنات سے نماز تہجد میں سنی اور فلاں نماز عشاء میں اور فلاں فلاں نماز میں، اگر مولانا عثمانی کے قول کے مطابق دعا بلند آواز سے ممنوع ہوتی تو آنحضرت ﷺ اونچی آواز سے دعا کیونکر مانگ سکتے تھے؟ یا کیا مولانا کے نزدیک صاحب نشیمن جبریل امین کو اس حکم کا علم نہیں ہو سکا؟

چہ خواہی گفت قربانت شوم تا من ہماں گفتم

مولانا عثمانی نے اہل حدیث کے خلاف الزام تراشی کی رو میں بہہ کر یہ نہیں سوچا کہ ان کے ایک بے اصل دعویٰ و دلیل کی زد کس کس پر پڑے گی حالانکہ ان جیسے فاضل انسان کو یہ معلوم ہونا چاہئے تھا کہ اہل حدیث کو ہمیشہ سے یہ امتیاز حاصل رہا ہے کہ ان کے مسلک و مشرب میں کسی خانہ ساز چیز کا کوئی وجود نہیں اور ان کی ہر بات براہ راست قرآن و سنت کے چشمہ صافی سے ماخوذ ہوتی ہے، ہم پوری دنیا کے علماء و فقہاء کو چیلنج دیتے ہیں کہ وہ مسلک اہلحدیث کی کسی چیز کو بھی خلاف قرآن و سنت ثابت کر کے دکھلا

دیں، اور ہم پورے وثوق اور اطمینان قلب سے کہتے ہیں کہ دنیا کا کوئی فرد ان کی کسی ایک بات پر بھی انگلی رکھ کر نہیں کہہ سکتا کہ یہ چیز تمہارے نہاں خانہ دماغ کی تخلیق ہے اور قرآن و سنت میں اس کا کوئی ثبوت نہیں۔

بقدر وسعت مشرب بہر کس جرء می دادند
تو در پیمانہ مے داری و من خون جگر دارم

مولانا نے اہل حدیث کے خلاف مقدمہ میں آمین بالجہر کو ممنوع ثابت کرنا چاہا تھا کہ قرآن کریم میں دعا بالجہر سے روکا گیا ہے، اور ہم نے آمین بالجہر اور بلند آواز سے دعا مانگنے کا نہ صرف ثبوت مہیا کر دیا ہے بلکہ قرآن و حدیث سے یہ بھی ثابت کر دیا ہے کہ بآواز بلند دعا مانگنا انبیاء مرسلین اور خود خاتم النبیین سید المرسلین کی سنت ہے۔

کہ آتشے کہ نمرود ہمیشہ در دل ماست

مولانا نے اہل حدیث کو بلند آواز سے آمین کہنے پر قرآن سے ناواقف بتلایا تھا، حالانکہ خود مولانا کی قرآن سے ناواقفی کا یہ عالم ہے کہ انہیں قرآن کریم کی اس آیت کا علم تک نہ ہو سکا جس میں باری تعالیٰ نے دعائیں بہت زیادہ بلند اور بالکل پست کے درمیان آواز کو اختیار فرمانے کا حکم دیا ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے :

﴿وَلَا تَجْهَرُ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافُ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذَلِكَ سَبِيلًا﴾

(الاسراء: ۱۱۰)

”دعا میں آواز نہ بہت زیادہ بلند کرو اور نہ بالکل پست بلکہ درمیانی آواز سے دعا مانگو۔“

اور صحیح بخاری میں امام بخاریؒ نے حرم رسول اللہ ﷺ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ وہ فرماتی ہیں :

”أنزل ذلك في الدعاء“

یہ آیت دعا کے بارے میں نازل ہوئی ہے (بخاری کتاب التفسیر)

اور امام ابن کثیر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس روایت کو نقل فرمانے کے بعد

کہتے ہیں :

”کذا قال مجاهد و سعید بن جبیر و أبو عیاض و مکحول و
عروۃ ابن الزبیر“

”کہ امام مجاہد، سعید بن جبیر، ابو عیاض، مکحول اور عروہ بن زبیر کا بھی یہی قول
ہے کہ یہ آیت دعا کے بارہ میں نازل ہوئی ہے“ (ابن کثیر ص ۱۵)
کیا فرماتے ہیں مولانا عثمانی، کون ناواقف ہے اور کون نہیں اور قرآن پر کس نے
عمل کیا ہے اور کس نے نہیں؟

کوئی بتلائے کہ ہم بتلائیں کیا
اور تبھی تو ابن ہمام ایسے زبردست حنفی عالم و فقیہ اور امام نے لکھا ہے کہ ”اگر آئین
کے بارہ میں مجھے فیصلے کا اختیار ہوتا تو میں یہ مختلف روایات کے درمیان یوں تطبیق دیتا کہ
ان روایات سے مراد جن میں آہستہ آواز سے آئین کہنا منقول ہے یہ کہ آواز بہت زیادہ بلند
نہ ہو اور بلند آواز والی احادیث سے مراد نرم اور گداز آواز ہے اور اس کی تائید ابن ماجہ
میں مروی وہ حدیث کرتی ہے جس میں آیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ غیر المغضوب علیہم ولا
الضالین کے بعد آئین اتنی آواز سے کہتے تھے کہ اسے پہلی صف والے سن لیتے اور اس سے
مسجد میں گونج سی پیدا ہو جاتی جس طرح کہ دریا میں بولنے سے پیدا ہوتی ہے اور جس طرح
مساجد میں دیکھا جاتا ہے بخلاف اس کے کہ آئین بڑے زور سے کڑک کر کہی جاوے۔

اور اس کے بعد اپنا فیصلہ بھی صادر فرمادیتے ہیں :

”وعلیٰ هذا فینبغی أن یقال علیٰ هذه الوجه لا یقرع کما یفعله
بعضہم“

”بنا بریں آئین درمیانی آواز سے کہنا چاہئے نہ کہ زور سے کڑک کر کہ جس
طرح بعض لوگ کہتے ہیں“ (فتح القدیر ص ۷۱۱ ج ۱۱ لکھنؤ)

ہوا ہے مدعی کا فیصلہ اچھا میرے حق میں
زلیخا نے کیا خود پاک دامن ماہ کنعان کا

اور اسی لئے تو مولانا عثمانی کی مسلمہ شخصیت مولانا عبدالحی لکھنوی التعلیق المجد
شرح مؤطا امام محمد میں فرماتے ہیں :

”والإنصاف أن الجهر قوی من حيث الدلیل“
”اور انصاف کی بات یہ ہے کہ آئین کا اونچی آواز سے کہنا بلحاظ دلیل قوی ہے“
اور مولانا عبد العلی نے یہاں تک کہہ دیا ہے :

”وأما الإسرار بالتأمین فهو مذهبنا لم یرو إلا ما روی الحاکم عن
علقمة بن وائل عن أبیه وهو ضعیف جدا“ (ارکان الأربعة)
”ہمارا مسلک آئین پست آواز سے کہنا ہے اور اس کی تائید میں اس روایت
کے علاوہ اور کوئی چیز نہیں جسے امام حاکم نے علقمہ بن وائل کے واسطے سے
روایت کیا ہے لیکن وہ روایت بھی بالکل ضعیف ہے۔“

ناصحا دل میں ہی اتنا تو سمجھ اپنے کہ ہم

لاکھ ناداں ہوئے کیا تجھ سے بھی ناداں ہوں گے

اگر مولانا عثمانی اب بھی اس بات پر مصر ہوں کہ باواز بلند دعا کرنا منافی قرآن ہے
تو مندرجہ بالا دلائل سے قطع نظر اس کا جواب کیا دیں گے اور خود ان کے صاحبین امام
ابویوسف اور امام محمد کی پوزیشن کیا ہوگی کہ وہ بھی اونچی آواز سے دعا کے قائل و آمر ہیں
چنانچہ فتح القدیر میں قنوت کا ذکر کرتے ہوئے امام ابن ہمام فرماتے ہیں :

”فعن محمد یقنت الإمام و یکست المقتدی و یجهر به... ثم هل

یجهر الإمام به؟ اختار أبو یوسف“

”امام محمد کے نزدیک دعائے قنوت کی صورت یہ ہے کہ امام دعا کرے اور
مقتدی خاموش رہے اور امام دعائے قنوت اونچی آواز میں پڑھے اور امام
یوسف کے نزدیک بھی پسندیدہ یہی ہے کہ امام دعائے قنوت بلند آواز سے
پڑھے“ (فتح القدیر ص ۸۳ ج ۱ طو نو لکشور)

آئینہ ماروئے ترا عکس پذیر است

گر تو نہ نمائی گناہ از جانب مانیت
اور تلبیہ کے بارہ میں تو علمائے احناف کے درمیان کسی قسم کا اختلاف نہیں
کہ اسے بلند آواز سے پکارنا چاہئے چنانچہ فقہ حنفی کی مشہور درسی کتاب ہدایہ
میں ہے :

”و یكثر التلبیة عقب الصلاة... و یرفع صوته بالتلبیة“
”اور نمازوں کے بعد بکثرت لبیک اللہم لبیک لا شریک لک کہے اور تلبیہ
پکارتے وقت آواز بلند کرے“ (ہدایہ باب الاحرام بکتاب الحج)

میر جمع ہیں احباب حال دل کہہ لے
پھر التفات دل دوستان رہے نہ رہے
اور پھر مساجد احناف میں امام و خطیب خطبہ جمعہ میں کیوں بالالتزام باواز بلند
آدعیہ پڑھتے ہیں اور نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگواتے ہیں کیا ان کا یہ فعل آیت
﴿ادعوا ربکم﴾ الخ کے منافی تو نہیں۔

أحب مناجاة الحبيب بأوجه
ولكن لسان المذنبین کلیل
اور تو اور خود سورہ فاتحہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک دعا ہے جیسا کہ مبسوط کے
حوالے سے پہلے گزر چکا ہے اگر اونچی آواز سے دعا کرنا ممنوع ہی ہے تو پھر سورہ فاتحہ کو
بلند آواز سے کیوں پڑھا جاتا ہے۔

تلقین درس اہل نظر یک اشارت است
کر دم اشارتے و مکرر نمی کنم

.... پھر اس کے بعد چراغوں میں روشنی نہ رہی

بحمد الله

مسئلہ رفع الیدین

بلسلسلہ احباب دیوبند کی کرم فرمایاں اہل حدیث پر!

حضرت مولانا ابوالکلام آزاد رحمہ اللہ نے اپنی معرکہ آراء تصنیف ”تذکرہ“ میں ہمارے دوستوں کے طرز عمل کی کیا خوب منظر کشی کی ہے :

”اسی طرح کتب فقہ و واقعات و فتاوی و حوادث کی بے شمار تفریعات و محدثات فقہیہ ہیں جن سے قدماء وائمہ کو کوئی تعلق نہیں، مگر بے تکان لکھ دیا جاتا ہے کہ کذا عند ابی حنیفہ و کذا عند فلان۔ اس سے ان کا مقصود یہ ہوتا ہے کہ امام ابو حنیفہ کی کسی قرار دادہ اصل کی بنا پر یہ تفریع ہے اور فلاں اصل جو ہم نے ان کی ٹھہرائی ہے، اس کی بنا پر یہ جزئیہ متفرع ہوتا ہے، حالانکہ تفریع خود ان کی ساختہ و پرداختہ ہے اور امام کو اس سے کوئی تعلق نہیں۔ یہی تخریج در تخریج و تفریع در تفریع و قیاس در قیاس و استنباطات رائیہ چند در چند..... کتاب و سنت کی مصیبت عظمیٰ و رزیت کبریٰ ہے جس کی وجہ سے قرن بعد قرن و نسل بعد نسل سخت و شدید غلطیاں بلکہ گمراہیاں واقع ہوتی رہیں، اور کارخانہ شرع میں فساد عظیم رونما ہوا، ازاں جملہ یہ کہ ناواقف عند ابی حنیفہ دیکھ کر دھوکا کھا جاتا ہے اور سمجھتا ہے کہ یہ فرع امام ابو حنیفہ کا بعینہ مذہب ہے جب مسئلہ عشر فی العشر اور تحریم اشارہ فی التشہد، و کراہت رفع الیدین عند الركوع، و کراہت آمین بالجہر، و اقتداء خلف مخالف، و عدم وجوب طمانیہ، و وجوب لزوم و تعین وغیرہا کی نسبت صاف دیکھ رہے ہیں کہ صریح تصریحات کتب اصول و مؤطا و جامع وغیرہ کے خلاف لکھا جا رہا ہے، حتیٰ کہ بعض کوتاہ آستینان فقہات کی دراز دستیاں یہاں تک بڑھیں کہ رفع الیدین عند الركوع اور اشارہ فی التشہد کو فعل کثیر کہتے ہوئے

بھی نہ شرمائے، تو پھر اور باتوں کے لئے ان کا ہاتھ پکڑنے والا کون تھا؟۔
دراز دستی اس کو تہ استینان بین

اور یہ تو فروعات کا حال ہے لیکن کاش معاملہ اس سے آگے نہ بڑھتا۔ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ جوں جوں نصوص سنت کے معارضات بڑھتے گئے اور حث و مناظرہ کا میدان وسیع ہوتا گیا، ساتھ ساتھ نئے نئے اصول و قواعد بھی بتے گئے کہ اگر قاعدہ بن گیا تو ایک ہی ڈھال پر سارے وار روک لئے جائیں گے۔ حالانکہ حضرت امام ابو حنیفہؒ و صاحبین رحمہم اللہ کو ان اختراعی اصول و قواعد کا وہم و خیال بھی نہ گذرا ہو گا بلکہ ان کی تصریحات بینہ ان کے خلاف موجود ہیں۔ یہ جو مسلمہ قواعد ٹھہرائے گئے ہیں کہ :

الخاص مبین فلا يلحقه البيان۔

(تاکہ اس سے نماز میں فرضیت فاتحہ کو رد کیا جاسکے اور :)

الزيادة عى الكتاب نسخ فلا يكون الاباية ناصة او حديث مشهور

ناص.....

(یہ قواعد ہیں جنہیں صحیح احادیث کے ٹھکرانے کے لئے گھڑ لیا گیا ہے)

تو ان میں سے کون سا قاعدہ ہے جو حضرت امام ابو حنیفہؒ یا صاحبین کا ٹھہرایا ہوا ہے؟ لیکن یہ سب کچھ انہی کی جانب منسوب ہے اور ہزاروں مدعیانِ تفقہ و علم، و مشغولینِ درس و تدریس منار و ہدایہ ہیں جن کو اس کی خبر بھی نہیں، حتیٰ کہ بعض دانشمندوں نے تو ایک ہی قاعدہ بنا کر سارے جھگڑے چکادئے :

إذا كان فى المسئلة قول لأبى حنيفة و صاحبيه و حديث يحكمون

بصحته ، و جب اتباع قولهم دون الحديث ، لأننا نظن بأبى حنيفة و

صاحبيه أنهم عارضوا الحديث مع صحته و صحة الإستنباط منه۔

یعنی اگر کسی مسئلہ میں حدیث صحیح ایک طرف ہو اور دوسری طرف اس کے

خلاف امام ابو حنیفہؒ اور صاحبین کا قول، تو واجب ہے کہ حدیث کو چھوڑ دیا

جائے اور قول امام ہی کی پیروی کی جائے کیونکہ آخر کوئی توبت ہوگی جس کی

وجہ سے انہوں نے ایسا کیا!

تو کیا یہ قاعدہ بھی اس وجود گرامی کا قرار دادہ ہو سکتا ہے جس نے اپنی ساری عمر مقدس اس صدائے حق کے اعلان و تکرار میں بسر کر دی کہ :

اتركوا قولي لخبر الرسول ﷺ۔

(میری بات کو رسول مقبول ﷺ کی بات کے مقابلہ میں ترک کر دو)

اور کیا اس طرح کے قواعد کا ان لوگوں کو گمان بھی گذر سکتا تھا جن کا عقیدہ یہ تھا

کہ :

إذا صح الحديث فهو مذهبي

اور

فاضربوا بقولي الحائط

(جب صحیح حدیث آجائے تو وہ میرا مذہب ہے اور میرا قول اس کے مقابلہ

میں دیوار پر دے مارو)

فأين الثريا وأين الثرى

یہی وجہ ہے کہ محققین اہل سنت وائمہ سلفیہ اس پر متفق ہوئے کہ تمام ائمہ سلف کا دامن علم و عمل بدعت حیل سے پاک ہے اور جتنی باتیں ان کی نسبت سے کہی جاتی ہیں یا تو ان کی بنیاد یہ ہے کہ ان ائمہ کی کسی اصل کو لے کر اس پر خود غلط و درغلط و ظلمات بعضہا فوق بعض متاخرین نے تفریعات کی ہیں اور یا ہمدگانِ الہی کو گمراہ کرنے کے لئے ازارہ مکر و تلمیس اپنی حیلہ تراشیوں کو ان کی جانب منسوب کر دیا ہے۔

جب یہ ہمدگانِ نفس خدا کو دھوکہ دینے سے باز نہیں آتے کہ یہی حقیقت بدعت حیل کی ہے تو ظاہر ہے کہ انسانوں کو دھوکا دینے اور ان پر افتراء کرنے میں ان کو کیا باک ہو سکتا ہے؟ (تذکرہ ابوالکلام آزاد ص ۹۹-۱۰۱)

بعینہ مولانا عثمانی کا یہی عالم ہے جس کا نقشہ مولانا آزادؒ نے مندرجہ بالا سطور میں کھینچا ہے کہ وہ رفع الیدین کو فعل کثیر ظاہر کر کے اس کے کرنے کو قرآن حکیم کی

آیت :

﴿وَقَوْمًا لِّلّٰهِ قَانِتِينَ﴾

اور

﴿الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ﴾

کے مخالف بتلاتے ہیں اور اس وقت ان کے دل میں رب العزت والجلال کا ذرا سا ڈر اور خوف بھی باقی نہیں رہتا کہ کس طرح وہ رسول اکرم ﷺ کی ایک سنت کی پابندی کی خاطر کلام باری کو خود ساختہ معنی دے رہے ہیں اور صرف قول امام کی خاطر جس کی صحت نسبت بھی یقینی نہیں قرآن کو من مانا مفہوم عطاء کر رہے ہیں، مولانا آزاد کے ان الفاظ کو ذرا دوبارہ ملاحظہ فرمائیے :

”جب یہ بدگمان نفس خدا کو دھوکا دینے سے باز نہیں آتے..... تو ظاہر ہے کہ انسانوں کو دھوکا دینے اور ان پر افتراء کرنے میں ان کو کیا باک ہو سکتا ہے۔“

يَاْمَنُ تَقَاعَدَ عَنْ مَّكَارِمِ خُلُقِهِ
لَيْسَ التَّفَاخُرُ بِالْعُلُومِ الْفَاحِشَةِ
مَنْ لَمْ يُهَذَّبْ عِلْمُهُ اخْلَاقُهُ
لَنْ يَنْتَفِعَ بِعُلُومِهِ فِي الْآخِرَةِ

وگر نہ رفع الیدین کے بارہ میں اس قدر احادیث صحیحہ موجود ہیں کہ شاید ہی کسی دوسرے مسئلہ میں ہوں، اور یہ ممکن ہی نہیں کہ خاتم النبیین ﷺ جن کی عصمت و حفاظت کا ذمہ خود خدا نے لے رکھا ہے، کا کوئی ادنیٰ اور معمولی سا فعل بھی فرمان باری کے خلاف ہو، جب کہ کتاب اللہ کے بعد دیگر کتب حدیث صحاح و سنن وغیرہ میں یہ روایت موجود ہے، فاروق اعظمؓ کے بیٹے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں :-

”رأيت رسول الله ﷺ إذ افتتح الصلاة رفع يديه حتى يحاذي منكبيه و قبل أن يركع و إذا رفع من الركوع“ (اخرجه الستة ومالك و محمد و

الدارمی والدارقطنی والبیہقی وغیرہم)

”میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ نماز شروع کرتے وقت اور رکوع جاتے وقت اور رکوع سے سر اٹھانے کے بعد رفع یدین کرتے“ (اس حدیث کو امام بخاری، مسلم، ترمذی، ابو داؤد، نسائی، ابن ماجہ، امام مالک، امام محمد، دارقطنی، دارمی اور بیہقی نے روایت کیا ہے)

اور یہ اس پایہ کی حدیث ہے کہ امام بخاری کے استاد امام علی بن المدینی اس کے بارہ میں ارشاد فرماتے ہیں :

هذ الحديث حجة على الخلق كل من سعه فعليه أن يعمل به لأنه ليس في اسناده شيء.

کہ یہ حدیث پوری دنیا پر حجت ہے، ہر وہ شخص جس کو اس حدیث کا علم ہو گیا اس پر واجب ہے کہ وہ اس حدیث پر عمل کرے کیونکہ اس کی سند میں کوئی جرح قدح نہیں۔ (تلخیص الحیثم لابن حجر ص ۸۱ ط دہلی)

دوسری روایت میں ہے، مالک بن الحویرث رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں :

”أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ كَانَ إِذَا كَبَّرَ رَفَعَ يَدَيْهِ حَتَّى يُحَاذِيَ بِهِمَا أُذُنَيْهِ وَإِذَا رَكَعَ رَفَعَ يَدَيْهِ حَتَّى يُحَاذِيَ بِهِمَا أُذُنَيْهِ وَإِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوعِ فَقَالَ سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ فَعَلَ مِثْلَ ذَلِكَ“

”رسول اللہ ﷺ تکبیر تحریمہ کے وقت اپنے دونوں ہاتھ کانوں تک اٹھاتے تھے اور اسی طرح رکوع جاتے وقت اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفع الیدین کیا کرتے تھے“

(اس روایت کو امام مسلم نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے)

ایک اور روایت میں ہے کہ اس حدیث کے ایک اور راوی حضرت ابو قلابہ نے جو بلند مرتبہ تابعی تھے، صحابی رسول ﷺ حضرت مالک بن الحویرث کو نماز میں دیکھا کہ وہ تکبیر تحریمہ اور رکوع جاتے وقت اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفع الیدین کرتے اور

پھر نماز سے فارغ ہو کر انہوں (حضرت مالک بن الحویرث) نے فرمایا :-

”أن رسول الله ﷺ كان يفعل هكذا“

”کہ رسول اللہ ﷺ بھی اسی طرح رفع یدین فرمایا کرتے تھے“

(یہ حدیث بھی مسلم شریف میں موجود ہے)

اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے کہ انہوں نے خلیفۃ الرسول صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز پڑھی تو حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے تکبیر تحریمہ اور رکوع اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفع یدین کی اور نماز سے فراغت کے بعد فرمایا کہ :-

”صلیت مع رسول الله ﷺ و كان يرفع يديه اذا افتتح الصلاة و إذا ركع

و إذا رفع رأسه من الركوع“ (اخرجه البيهقي في سننه وقال رجاله ثقات)

”میں نے رسول اکرم ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی اور آپ افتتاح نماز اور رکوع

جاتے ہوئے اور رکوع سے سر اٹھاتے ہوئے رفع یدین فرمایا کرتے تھے“

(اس روایت کو امام بیہقی نے روایت کیا ہے اور فرمایا ہے کہ اس کے راوی

ثقة ہیں)

اور اسی طرح خلیفہ رابع حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں

کہ :-

”عن رسول الله ﷺ أنه كان إذا قام إلى الصلاة المكتوبة كبر و رفع يديه

حذو منكبيه و يصنع مثل ذلك إذا قضى قراءته و أراد أن يركع و يصنعه

إذا رفع من الركوع ولا يرفع يديه في شيء من صلاته و هو قاعد و إذا

قام من السجدة رفع يديه كذلك و كبر“ (رواه أبو داود و الترمذي وقال

حسن صحيح)

”رسول اکرم ﷺ جب فرض نماز میں کھڑے ہوتے تو تکبیر کہتے اور کندھوں

تک اپنے دونوں ہاتھ بلند فرماتے اور اسی طرح جب قرأت مکمل فرمالتے اور

رکوع میں جانا چاہتے تو رفع یدین فرماتے اور رکوع سے فارغ ہو کر سر اٹھاتے تو پھر رفع یدین فرماتے اور اس کے علاوہ دیگر حالتوں میں رفع یدین نہ فرماتے اور جب دو رکعتوں کے بعد تشهد فرما کر اٹھتے تو اس وقت بھی رفع یدین فرماتے“ (اس حدیث کو امام ابو داؤد اور امام ترمذی نے روایت کیا ہے، ترمذی نے اسے حسن صحیح قرار دیا ہے، اور امام احمد بن حنبل نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے)

اور حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں :-

”صلیت مع رسول اللہ ﷺ فكان إذا كبر رفع يديه قال ثم التحف ثم أخذ شماله و أدخل يديه في ثوبه قال فإذا أراد أن يركع أخرج يديه ثم رفعهما إذا أراد أن يرفع رأسه من الركوع رفع يديه“ (رواه ابو داؤد و النسائي)

”میں نے رسول اکرم ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی جب آپ ﷺ اللہ اکبر کہتے تو رفع یدین فرماتے، پھر دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ کو پکڑ لیتے اور چادر کے اندر کر لیتے پھر رکوع سے اٹھ کر رفع یدین کرتے“

یہ ہیں احادیث رفع یدین کی جن سے ثابت ہوتا ہے کہ خود خواجہ بیثرب و والی بطحا صلوات اللہ و سلامہ علیہ رفع یدین فرمایا کرتے تھے اور جس کو مولانا عثمانی صرف اہل حدیث کی مخالفت کی بنا پر منافی قرآن بتلانے کی سعی لا حاصل کرتے ہیں۔

تا تو بیدار شوی نالہ کشیدم ورنہ!

عشق کاریست کا بے آہ فغان نیز کنند

اور نہیں جانتے کہ جس قدر احادیث مسئلہ رفع الیدین میں موجود ہیں اس قدر شاید ہی کسی مسئلہ میں ہوں، اور بعض علماء کے نزدیک تو احادیث رفع یدین حد تو اترا کو پہنچ گئی ہیں اور حافظ ابن حجرؒ نے تلخیص میں امام شافعیؒ کا قول نقل کیا ہے کہ جس قدر احادیث رفع یدین کے بارہ میں آئی ہیں اس قدر کسی اور مسئلہ میں نہیں (تلخیص) لیکن۔

افسوس تم کو میر سے صحبت نہیں رہی

اور امیر المؤمنین فی الحدیث امام بخاریؒ نے اس مسئلہ کے ثبوت کے لئے تو ایک مستقل رسالہ ”جزاء رفع الیدین“ کے نام سے تحریر فرمایا جس میں تقریباً انیس اصحاب رسول ﷺ کا ذکر کیا ہے کہ ان سے صراحتاً مروی ہے کہ وہ رکوع جاتے اور اٹھتے وقت رفع یدین کیا کرتے تھے اور ان صحابہ میں فاروق اعظمؓ، حیدر کرار خادم رسول اللہ ﷺ، انس بن مالک، ابن عم رسول اللہ ﷺ، عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم ایسے لوگ بھی موجود ہیں۔

..... پھر اس کے بعد چراغوں میں روشنی نہ رہی